فہرست مضامین معارف

(جلد ۱۱۱)

ماہ جنوری ۱۹۷۳ء تا ماہ جون ۱۹۷۳ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۱۱۱ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۷۳ء عدد ۱

مضامین

مقالات

وفیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

بمبئی کے مسلم پرسنل لا کنونشن میں مسلمانوں کا بڑا نمائندہ اجتماع ہوا، پورے ہندوستان کی مسلم تنظیموں اور ہر مکتب خیال کے کئی سو نمائندے شریک ہوئے اور سب نے متفقہ طور سے مسلمانوں کے پرسنل لا میں حکومت کی مداخلت اور تبدیلی کی پرزور مخالفت کی، اس سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت بھی تبدیلی گوارا نہیں کرتی، باقی ایسے افراد تو ہمیشہ رہے ہیں جو پرسنل لا کیا کلام اللہ کے بہت سے صریح احکام میں تبدیلی کے مبلغ ہیں مگر انکی جو حیثیت ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔

پرسنل لا میں تبدیلی کے جواز کی جتنی دلیلیں دیجاتی ہیں اُن میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے، سب سے بڑی دلیل یہ دیجاتی ہے کہ بعض اسلامی ملکوں نے تبدیلی کی ہے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جس ملک نے بھی احکام قرآنی کے خلاف کوئی تبدیلی کی ہے، اس نے غلطی کی، کسی قانون شکن کے عمل کو قانون شکنی کے جواز میں پیش نہیں کیا جا سکتا، اسلئے کسی ایسے اسلامی ملک کا عمل ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے دلیل نہیں بن سکتا، دوسرے اس دلیل میں بھی مغالطہ ہے، ٹرکی کے علاوہ کسی ملک نے نص قرآنی کے خلاف کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، البتہ بعض ملکوں نے شریعت کے اصولوں کی روشنی میں پرسنل لا کے غلط استعمال کو روکا ہے، اور اس سے پیدا شدہ خرابیوں کو دور کیا ہے، اس قسم کی اصلاح ہندوستان میں بھی کیجا سکتی ہے، مگر اس کا حق صرف اسلامی شریعت کے ماہروں کو ہے، عام مسلمانوں کو بھی نہیں، اور کسی تیسرے کا تو کوئی سوال ہی نہیں، اس سلسلہ میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ جن اسلامی ملکوں نے کوئی تبدیلی کی ہے تو اپنے پرسنل لا میں کی ہے کسی دوسرے فرقہ پر اس کو مسلط نہیں کیا ہے، اس میں اور سب

کے لئے یکساں کوڈ بل میں بڑا فرق ہے، اس لئے اس سے بھی مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلی کا جواز نہیں نکلتا۔

جو لوگ اسلامی ملکوں کو مثال میں پیش کرتے ہیں، وہ اُن کے اور ہندوستان کے حالات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت اور اُن کی حکومت ہے، دوسرے فرقے برائے نام ہیں، اس لئے اگر کوئی ملک کوئی ایسی تبدیلی بھی کرتا ہے جس کا اس کو شرعاً حق نہیں ہے تو اس سے یہاں کے مسلمانوں کی ملی حیثیت میں فرق نہیں آتا، وہ قائم رہتی ہے، کسی دوسرے فرقے میں اُن کے ضم ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا، لیکن جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور حکومت میں بھی اُن کی موثر حیثیت نہیں ہے، اور ایسی جماعتیں بھی موجود ہیں، جو اُن کی ملی خصوصیات کو مٹانا چاہتی ہیں، وہاں اُن کا وجود صرف اُن کے مذہب، کلچر اور زبان سے قائم ہے، ان میں سے جس چیز کو بھی نقصان پہنچے گا، ان کا ملی وجود خطرے میں پڑ جائے گا، اسی لئے ہندوستان کے جمہوری اور سیکولر دستور نے اقلیتوں کے مذہب کلچر اور زبان کے تحفظ کی ضمانت دی ہے، خود اسلامی ملکوں نے بھی کسی دوسرے فرقے کے پرسنل لا میں کوئی مداخلت نہیں کی ہے

مسلمانوں کا پرسنل لا انکے مذہب پر مبنی ہے اور اتنا مکمل ہے کہ دوسری قومیں اسکی تقلید کرتی ہیں، طلاق اور خلع کا حق وراثت میں عورتوں کا حصہ وغیرہ اسی تقلید کا نتیجہ ہے، اسلئے مسلم پرسنل لا میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، اور وہ ہندوستان کی دستوری ضمانت کے بھی خلاف ہے، جو لوگ مسلمانوں کی خیرخواہی ان کے مظلوم طبقہ کی حمایت اور ان کی اصلاح و ترقی کے لئے پرسنل لا میں تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں، ان سے سوال ہے کہ کیا مسلمانوں کی ساری خیرخواہی اور ان کی اصلاح و ترقی پرسنل لا میں تبدیلی ہی پر موقوف ہے، جو چیزیں مسلمانوں کی حقیقی خیرخواہی اور اُن کی ترقی کی ہیں، اُن کی طرف نہ اُن مصلحین کی توجہ ہے نہ حکومت کی، مسلمانوں کے خلاف خونریز فسادات اور ان کی جانی و مالی

تباہی و بربادی کا سلسلہ بدستور جاری ہے، ملازمت کے دروازے اُن پر تنگ ہیں، اردو زبان
اور مسلم یونیورسٹی کا حشر سب کی نگاہوں کے سامنے ہے، اگر حقیقتاً مسلمانوں کی خیر خواہی مقصود ہے
تو پہلے ان چیزوں کی اصلاح کی ضرورت ہے، مگر اس کے بارہ میں سارے مصلحین کی زبانیں
خاموش ہیں، اس کے بغیر مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کا درد

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پر داختی

کا مصداق ہے،

مگر یہ امر باعثِ اطمینان ہے کہ اس بارہ میں حکومت کو بھی مسلمانوں کے جذبات
کا احساس ہوگیا ہے، اور اس کے ایک ترجمان محمد شفیع قریشی نائب وزیر ریلوے نے اعلان
کیا ہے کہ مسلمانوں کا پرسنل لا ان کا ذاتی معاملہ ہے، حکومت اس میں تبدیلی کا کوئی ارادہ
نہیں رکھتی، خدا کرے یہ بیان مسلم یونیورسٹی کے متعلق بیانات کی طرح نہ ہو۔
کاش یہی طرزِ عمل وہ مسلم یونیورسٹی کے معاملہ میں اختیار کرتی تو مسلمانوں کو بدگمانی کا موقع
نہ ملتا۔ اب بھی وہ اس کی تلافی کر سکتی ہے،

پرسنل لا کے غلط استعمال سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ اصل میں اسلامی نظامِ قضا
نہ ہونے کا نتیجہ ہے، ورنہ آسانی سے ان کا تدارک ہو سکتا تھا، مگر یہ چیز ہندوستان
میں ممکن نہیں ہے، اس لئے یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ خرابیوں اور دشواریوں کو دور
کرنے کی کوشش کریں کنونشن نے جو بورڈ بنایا ہے، یقین ہے کہ اس کے پیش نظر یہ مسائل ہونگے،

مقالات

ہندوستان میں علم حدیث اموی دور تک

از

جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اڈیٹر البلاغ بمبئی

ہندوستان میں علم حدیث کے موضوع پر متعدد علماء و محققین نے خامہ فرسائی کی ہے، اور
تقریباً سب کی تحقیق میں یہاں علم حدیث کا رواج چھٹی صدی کے بعد ہوا ہے، اور پہلے کی صدیاں
اس سے خالی نظر آتی ہیں، اس تحقیق سے اسلامی ہند کی دینی و علمی تاریخ میں بڑا خلا محسوس ہوتا
ہے اور یہ باور ہونے لگا کہ پہلے اس ملک میں رواۃ حدیث و محدثین اور ان کی تصانیف کا
وجود نہ تھا، راقم نے اپنی کتاب "رجال السند والہند الی القرن السابع" میں اس خلا کو پر کیا
اور پہلی صدی سے لیکر ساتویں صدی تک ہندی رواۃ و محدثین اور اُن کی تصانیف اور
کئی سو علمائے حدیث و رجال حدیث کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد اس کا اعتراف تو کیا گیا
کہ اس زمانہ میں یہاں محدثین اور رواۃ حدیث تھے مگر انھوں نے غیر ممالک میں درس و تدریس
اور تصنیف و تالیف کی سرگرمی دکھائی، خود ہندوستان میں وہ نہیں رہے، نہ انھوں نے
یہاں روایت اور تصنیف کا کام کیا، لیکن یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ تیسری
اور چوتھی صدی میں جس کو علم حدیث کا زریں عہد کہا جا سکتا ہے، تمام بلادِ اسلامیہ کی طرح

یہاں بھی علم حدیث کا چرچا تھا، دیبل، منصورہ، ملتان اور لاہور کے دینی و علمی مرکزوں میں علم حدیث کی سرگرمیاں جاری تھیں، اور بغداد، بصرہ اور کوفہ کی طرح یہ شہر علم حدیث اور محدثین کے مرکز تھے، جہاں روایت اور تصنیف کا سلسلہ جاری تھا،

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں خلف بن محمد دیبلی موازینی کے تذکرہ میں علی ابن موسیٰ دیبلی سے شہر دیبل میں روایت کی تصریح کی ہے،

..... خلف بن محمد الدیبلی	خلف بن محمد دیبلی موازینی نے کہا کہ علی
الموازینی، حدثنا علی بن موسیٰ	ابن موسیٰ دیبلی نے ہم سے دیبل میں حدیث
الدیبلی بالدیبل [1]	بیان کی،

اسی دور میں منصورہ میں متعدد علمائے حدیث درس و تصنیف میں مشغول تھے،

مقدسی بشاری نے ابو محمد منصوری کے بارے میں لکھا ہے،

ورأیت القاضی ابا محمد المنصوری	میں نے قاضی منصورہ ابو محمد منصوری
داؤدیا فی مذہبہ ولہ تدریس	کو دیکھا ہے، وہ داؤد ظاہری کے مسلک
وتصانیف وقد صنف کتبا	پر تھے، اور وہاں ان کا حلقہ درس
عدیدۃ حسنۃ	اور تصانیف تھیں، انھوں نے کئی
	اچھی اچھی کتابیں بھی لکھی ہیں،

ابو العباس احمد بن صالح منصوری کے متعلق ابن ندیم نے تصریح کی ہے،

من افاضل الداؤدیین ولہ	وہ داؤدی مسلک کے فاضل ترین علماء
کتب جلیلۃ حسنۃ کبار منہا	میں سے تھے، اور ان کی کئی اہم، عمدہ اور

[1] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۳۳

کتاب المصباح کبیر، کتاب الہادی	بڑی بڑی کتابیں ہیں، ان میں کتاب المصباح
کتاب النیر	بڑی کتاب ہے، نیز کتاب الہادی اور کتاب
	النیر ان کی تصنیف ہے،

ابو اسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں لکھا ہے،

صاحب کتاب النیر، خرج الی	وہ کتاب النیر کے مصنف ہیں، دیبل سے
بغداد وتعلم ثم عاد الی المنصورۃ	بغداد گئے، اور وہاں سے علم حاصل کرکے منصورہ
	واپس آئے،

یاقوت نے معجم البلدان میں ان کے متعلق بیان کیا ہے،

لہ تصانیف فی مذہبہ وکان	ابو العباس احمد بن صالح دیبلی کی ان کے
قاضی المنصورۃ	مسلک پر تصانیف ہیں، وہ منصورہ کے
	قاضی تھے،

اس سے ظاہر ہوگا کہ خلف بن محمد دیبلی، علی بن موسیٰ دیبلی، قاضی ابو محمد منصوری اور ابو العباس احمد بن صالح منصوری چوتھی صدی میں دیبل اور منصورہ کے ان علماء و محدثین میں سے تھے، جنھوں نے یہاں حدیث کی تدریس و روایت کی اور اس فن میں کتابیں بھی لکھیں،

اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے قدیم علماء و محدثین اور ان کی تصانیف کے نام و نشان ہمارے سامنے نہ آسکے، اور بعد کے علمائے عجم کے علمی و فکری سیل نے قدماء کے ناموں اور انکے تصنیفی کارناموں کو اس طرح بہا دیا کہ تاریخ کے صفحات بالکل سپاٹ ہوگئے، اور ان کتابوں میں سے کسی کا پتہ نہیں چلتا، اور ساتویں صدی کی ایک کتاب مشارق الانوار کے علاوہ یہاں کے علماء کی کوئی کتاب علم حدیث میں سامنے نہ آسکی، اور جس طرح علمائے عجم اور فقہائے ماوراء النہر

کی تصانیف نے ائمہ احناف کی امہاتِ کتب کو بھلا دیا، اسی طرح ان کی علمی اور تصنیفی یلغار نے ہندوستان کے قدیم فقہا، و محدثین کی تصانیف کو بھلا دیا،

ذیل میں ہم ہندوستان میں علم حدیث کی ابتدائی تاریخ ایک دوسرے انداز میں پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ دوسرے ممالک اسلامیہ کی طرح ہندوستان میں بھی علم حدیث اپنے تمام لوازم کے ساتھ رائج تھا، اور یہ نظریہ غلط ہے کہ یہاں اس فن کو کئی صدیاں گذرنے کے بعد پھلنے پھولنے کا موقع ملا،

خلافت راشدہ میں صحابہ و تابعین کی آمد

خلافت راشدہ میں ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں میں دینی علوم کا چرچا ہوگیا تھا اور اس عہد کے رواج کے مطابق حدیث کا مذاکرہ بھی جاری تھا، اخبرنا حدثنا کا باقاعدہ سلسلہ پہلی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا، جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے احادیث کو مدون کرکے ان کے صحیفے مرتب کیے گئے، اور ان کی روایت کا سلسلہ جاری ہوا، اس سے پہلے حضرات صحابہ و تابعین حسب موقع احادیث و آثار بیان کیا کرتے تھے،

اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو مختلف بلاد و امصار میں صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم دینی و فقہی تعلیم کے لیے روانہ کیے گئے، اور انھوں نے وہاں احادیث رسول اور شرائع اسلام کی تعلیم عام کی، جیسا کہ امام ابن ابی حاتم رازی نے تقدمۃ الجرح والتعدیل میں تصریح فرمائی ہے:

ثم تفرقت الصحابة رضی اللہ عنهم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ
فی النواحی والامصار والثغور	رضی اللہ عنہم مختلف شہروں، علاقوں اور
فی فتوح البلدان والمغازی	سرحدوں میں فتوحات، مغازی، امارت
والامارة والقضاء، فبعث	اور قضا کے سلسلے میں پھیل گئے، اور ان میں سے
کل واحد منهم فی ناحیته	ہر ایک نے اپنے علاقہ اور شہر میں رسول اللہ

وبالبلد الذی هو به ما وعاه	صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی احادیث کو عام
وحفظه عن رسول اللہ صلی اللہ	کیا، اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ
علیه وسلم وحکموا بحکم اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن جاری کیے اور رسول اللہ
عزوجل وامضوا الامور	صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر معاملات کو چلایا اور
علی ما سن رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل کے
علیه وسلم وافتوا فیما سئلوا عنه	جواب میں جو کچھ سنا تھا اسی کے مطابق ان
مما حضرهم من جواب رسول اللہ	جیسے مسائل میں فتویٰ دیا، حسن نیت اور
صلی اللہ علیه وسلم عن نظائرها	رضائے الٰہی کے لیے عام مسلمانوں کو فرائض
من المسائل، وجردوا انفسهم	واحکام اور سنن، حلال و حرام میں اپنے
مع تقدمة حسن النیة والقربة	آپ کو مصروف رکھا، اور اپنے اس کام
الی اللہ تقدس اسمه لتعلیم	میں یہ حضرات برابر لگے رہے، یہاں تک کہ
الناس الفرائض والاحکام	اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا، بس ان کے
والسنن والحلال والحرام	بعد حضرات تابعین آئے جن کو اللہ تعالیٰ
حتی قبضهم اللہ عزوجل	نے اپنے دین کی اقامت اور فرائض،
رضوان اللہ ومغفرته ورحمته	حدود، امر الٰہی اور رسول کے سنن
علیهم اجمعین، فخلف بعدهم	و آثار کی حفاظت کے لیے چن لیا تھا،
التابعون الذین اختارهم اللہ	انھوں نے حضرات صحابہ سے احکام
عزوجل لاقامة دینه وخصهم	اور سنن و آثار حاصل کر کے عام کیا، اس
بحفظ فرائضه وحدوده	بارے میں وہ اتقان، تفقہ اور علم کا حق

وامره ونهيه واحكامه وسنن رسوله صلى الله عليه وسلم وآثاره وحفظوا عن اصحابه رسول الله صلى الله عليه وسلم ما نشروه وبثوه من الاحكام والسنن والآثار وسائر ما وصفنا الصحابة به رضي الله عنهم فاتقنوه وعلموه وفقهوا فيه فكانوا من الاسلام والدين ومراعاة امر الله عز وجل ونهيه بحيث وصفهم الله عز وجل ونصبهم اذ يقول الله عز وجل والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه[1]

ادا کر کے اسلام اور خدائی امر و نواہی میں اس مقام پر تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو رکھا ہے، اور ان کی شان میں فرمایا ہے والذین اتبعوهم الخ یعنی جن لوگوں نے حسن و خوبی کے ساتھ صحابہ کی اتباع کی ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے،

اور جس طرح خلافت راشدہ میں حضرات صحابہ و تابعین نے دوسرے مفتوحہ ممالک میں کتاب و سنت کے اوامر و نواہی جاری کیے اور احادیث و فقہ کی تعلیم دی، اسی طرح ہندوستان میں بھی فرائض، سنن، احکام، حلال، حرام، احادیث، آثار، فقہ وغیرہ کی اشاعت فرمائی، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے خلافت راشدہ میں اوائل بلاد ہند میں صحابۂ کرام فاتح بنکر تشریف لا چکے ہیں، وہ لکھتے ہیں،

قبل ذلك قد كان الصحابة

سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے ہی

---

[1] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۸ و ۹

في زمن عمر رضي الله عنه وعثمان رضي الله عنه فتحوا غالب هذه النواحي ودخلوا مبا ينها بعد هذه الاقاليم الكبار مثل الشام ومصر والعراق واليمن واوائل بلاد الترك ودخلوا الى ما وراء النهر واوائل بلاد المغرب واوائل بلاد الهند[1]

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں صحابۂ کرام نے ان اطراف کے اکثر حصے فتح کیے، اور شام، مصر، عراق، یمن اور اوائل ترکستان کے وسیع و عریض اقالیم میں پہنچے، نیز یہ حضرات ماوراء النہر اوائل مغرب (افریقہ) اور اوائل ہند میں داخل ہو گئے تھے۔

ہماری تحقیق میں سندھ و مکران اور ان کے حدود میں جو صحابہ کرام تشریف لائے ان میں سے صرف سترہ[۱۷] کے نام و حالات ملے ہیں، جن میں پندرہ خلافت راشدہ اور دو اموی دور کی ابتدا میں آئے، اس دور میں صرف نو دس تابعین کے نام مل سکے ہیں، جبکہ اس زمانے میں یہاں آنے والے صحابہ و تابعین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ رہی ہوگی، ان میں بیشتر صغار صحابہ اور کبار تابعین کے طبقہ کے حضرات تھے، انھوں نے یہاں اس زمانہ کے طریقہ کے مطابق کتاب و سنت اور احادیث و فقہ کی تعلیم جاری کی، اس وقت تک باقاعدہ "اخبرنا و حدثنا" کا رواج نہیں تھا، بلکہ صحابہ و تابعین کی مجلسیں اور مسجدیں دینی علوم و معارف کے مدرسے ہوا کرتی تھیں، اور جب بعد میں اموی دور میں باقاعدہ احادیث کی تدوین و تنظیم کی باری آئی تو ان ہی حضرات سے احادیث کی روایت کا سلسلہ چلا۔

علمائے صحابہؓ

خلافت راشدہ میں ہندوستان آنے والے صحابۂ کرام میں سے جن حضرات کے نام اور حالات معلوم ہو سکے ہیں، اُن میں مندرجۂ ذیل صحابہ احادیث و آثار اور علوم اسلامیہ

---

[1] البدایہ والنہایہ، ج ۹ ص ۸۸

کے عالم و عامل تھے،

(۱) حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفیؓ خیار صحابہ میں سے تھے، ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ ان سے اہل مدینہ اور اہل بصرہ نے روایت کی ہے، جن میں امام حسن بصری زیادہ نمایاں ہیں، امام احمد نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے عثمانؓ بن ابو العاصی سے افضل کسی کو نہیں پایا، ہم ان کے مکان پر جاکر ان سے حدیث کی روایت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ عبد اللہ بن بریدہؓ نے خدا کی قسم کھاکر ان کی توثیق کی۔[1]

(۲) ان کے بھائی حضرت حکم بن ابو العاصی ثقفیؓ کے بارے میں امام بخاری نے لکھا ہے کہ ان کا شمار بصرہ کے علماء، محدثین اور رواۃ حدیث میں ہے، اور ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ ان کا شمار بصرہ کے علماء میں ہے، بعض لوگ ان کی احادیث کو مرسل بتاتے ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے، ان سے معاویہ ابن قرہؒ نے روایت کی ہے۔[2]

(۳) حضرت ربیع بن زیاد حارثیؓ سے مطرف بن شخیر اور حفصہ بنت سیرین وغیرہ نے روایت کی ہے، محدثین کے نزدیک ان سے کوئی مسند حدیث مروی نہیں ہے،

(۴) حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ سے ابو حاجب سوادہ بن عاصم، ابو الشعثاء، دلجہ بن قیس، جابر بن زید، اور عبد اللہ بن صامت نے روایت کی ہے، صحیح بخاری میں ان سے ایک حدیث مروی ہے،

(۵) حضرت صحار بن عباس عبدیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین احادیث

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶ و استیعاب بذیل اصابہ ج ۳ ص ۹۲، کتاب العلل و معرفۃ الرجال ص ۲۳۴-۲۵۵

[2] التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۲ ص ۲۲۹، استیعاب ج ۱ ص ۳۰۶، کتاب الثقات ص ۳۹

کی روایت کی ہے، ان کا شمار بھی علمائے بصرہ میں تھا، ان سے ان کے دو صاحبزادوں عبد الرحمن بن صحار اور جعفر بن صحار کے علاوہ منصور بن ابو منصور نے روایت کی ہے،

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمیر اشجعیؓ سے ابن وقدان نے روایت کی ہے،

(۷) حضرت عبید اللہ بن معمر قرشی تیمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے عروہ بن زبیر اور محمد بن سیرین نے روایت کی ہے،

(۸) حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ سے ابو ساسان حصین بن منذر، یحییٰ بن اسحاق، ابو عثمان نہدی، کلیب بن شہاب اور عبد الملک بن عمیر نے روایت کی ہے، ان کی احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں،

(۹) حضرت عبد الرحمن بن سمرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے عبد اللہ بن عباسؓ، حیان بن عمیر، ہصّان بن کاہلی، سعید بن مسیب، محمد بن سیرین، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، حسن بصری، ابو لبید، عمار بن ابو عمار مولیٰ بنی ہاشم وغیرہ نے روایت کی ہے، ان سے مروی احادیث صحاح میں موجود ہیں،

علمائے تابعین

خلافت راشدہ کے مقدس دور میں ہندوستان آنے والے جن تابعین کرام کے نام اور حالات معلوم ہو سکے ہیں، ان میں متعدد بزرگ احادیث و آثار اور علوم دینیہ کے اساطین و ائمہ تھے،

(۱) حضرت حکیم بن جبلہ عبدیؒ خلیفہ بن خیاط کی تصریح کے مطابق عہد عثمانی میں عہدۂ قضا پر مامور تھے، اور یہاں کے مسلمانوں کے جملہ امور و معاملات میں احادیث و آثار کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے،

(۲) حضرت امام حسن بصری کی حیثیت شیخ الکل فی الکل کی تھی کم از کم ڈھائی سال تک خلافت راشدہ میں انھوں نے سجستان سے متصل سندھ و مکران کے حدود میں جہاد و غزوات کے ساتھ افتاء و انشاء کی خدمت انجام دی، اور صحابہ و تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت سے روایت کی ہے، ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ امام حسن بصری نے ایک سو بیس صحابۂ کرام کو دیکھا ہے،

(۳) حضرت جابر بن یزید حسن بصری سے بھی پہلے، ربیع بن زیاد حارثی کی فوج میں مفتی کے عہدے پر تھے، اور سجستان کے غزوات کے سلسلے میں سندھ کے علاقوں میں بھی جہاد و افتاء کی خدمت انجام دیتے تھے، جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے،

(۴) حضرت سعد بن ہشام انصاریؒ حضرت انسؓ کے چچا زاد بھائی ہیں، انھوں نے اپنے والد ہشام بن عامر، چچا انس بن مالک اور ام المومنین عائشہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوہریرہؓ، اور سمرہ بنؓ جندب سے روایت کی ہے، اور ان سے حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری اور امام حسن بصری نے روایت کی ہے، ثقہ رواۃ حدیث میں سے ہیں، دین و دیانت اور علم و فضل میں ممتاز مقام رکھتے تھے،

ان حضرات نے صحابۂ کرام کے بعد اس ملک میں اپنے اپنے علوم و معارف کی اشاعت کی، اور سفر و حضر، غزوات و فتوحات اور قضا و امارت میں کتاب و سنت کی شمع اس علاقہ میں روشن کی، اور فرائض، سنن، احکام، اوامر، نواہی کی تعلیم کے لیے اس دور کی ضرورت اور طریقہ کے مطابق دینی و علمی خدمات انجام دیں،

قضا و افتاء اور احادیث و تفقہ کی تعلیم عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں عام طور سے فوجوں

کے قائد اور صوبوں کے حاکم صحابۂ کرام ہوا کرتے تھے، جنھوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و تربیت اور دینی علوم حاصل کیے تھے، وہ اپنے حلقۂ امارت میں بیک وقت امیر و قاضی اور فقیہ و معلم سب کچھ ہوتے تھے، ایسا بھی تھا کہ انتظامی امراء و حکام اور دینی و فقہی تعلیم اور قضاء و افتاء کے لیے قاضی، امام اور معلم الگ الگ ہوتے تھے، ہندوستان میں یہ دونوں صورتیں تھیں، یہاں کے امراء و عمال میں بعض اوقات ایک ہی ذات تمام دینی امور کی ذمہ دار ہوتی تھی، اور مختلف عہدوں کے لیے الگ ذمہ دار بھی ہوتے تھے،

۳۰ھ میں ربیع بن زیاد حارثی نے سجستان اور سندھ کے علاقہ میں فہرج کو فتح کیا اور ڈھائی سال تک زرنگ میں قیام کیا، اس پوری مدت میں امام حسن بصری انکے ساتھ میر منشی اور مفتی کی حیثیت سے رہے، افتاء کی خدمت حضرت جابرؒ بن یزید بھی انجام دیتے تھے، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے:

كان الحسن يغزو، وكان مفتي الناس ههنا جابر بن يزيد قال: ثم جاء الحسن فكان يفتي[1]

جس زمانہ میں حسن بصری جہاد میں چلے جاتے تھے، سجستان میں جابرؒ بن یزید لوگوں کے مفتی تھے، اور جب حسن بصری آجاتے تھے تو وہ فتوی دینے لگتے تھے،

اس سے ان مقامات پر احادیث و آثار اور فقہ کی تعلیم و اشاعت کا سلسلہ جاری ہوا، عہد عثمانی میں سندھ میں محکمۂ قضا کا مستقل قیام ہو گیا تھا، خلیفہ بن خیاط نے اس عہد کے مختلف بلاد و امصار کے قضاۃ اسلام کی تفصیلی فہرست درج کی ہے، اسی ضمن میں لکھا ہے کہ

[1] طبقات ابن سعد ج، ص ۱۸۰

اس دور میں سندھ کے قاضی حضرت حکیم بن جبلہ عبدی تھے،[۱] یہ وہی بزرگ ہیں جن کو حضرت عثمانؓ نے ثغر ہند کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا، عہد عثمانی کے تینوں امراء عبید اللہ ابن معمر تیمی، عمیر بن عثمان بن سعد اور ابن کندیر قشیری کے دور میں غالباً حکیم بن جبلہ عبدی سندھ و مکران کے قاضی تھے،

یہاں کے مسلمان بعض دینی مسائل میں صحابۂ کرام اور علمائے عرب سے رجوع کرتے تھے، چنانچہ فاتح مکران عبید اللہ بن معمر تیمی نے فارس کی امارت کے زمانہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے استفتاء کیا،

انا استقررنا فلا نخاف عدونا — ہم کو یہاں سکون و قرار حاصل ہے،

وقد اتی علینا سبع سنین — اور اب ہمیں اپنے دشمن کا ڈر نہیں ہے، اس حالت پر سات سال کی مدت گذر چکی

وولد لنا فکم صلاتنا — ہے اور ہمارے بال بچے پیدا ہوگئے ہیں، ایسی حالت میں ہم نماز میں قصر کریں یا پوری نماز ادا کریں؟

اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تحریر فرمایا،

ان صلواتکم رکعتان[۲] — اب بھی تم لوگ دو ہی رکعت پڑھا کرو۔

فتح کابل کے موقع پر جب اسلامی لشکر مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی اس میں مصروف ہوگیا اور ایک طرح کی لوٹ مچ گئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے کھڑے ہوکر فرمایا

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے،

۱؎ تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۱۹۷ ۲؎ اصابہ ج ۲ ص ۴۳۲ و ۴۳۳۔

ینھیٰ عن النھبیٰ[۱] — آپ اس طرح مال لوٹنے سے منع فرماتے تھے۔

اس فرمان رسول کا سننا تھا کہ جس سپاہی نے جو کچھ لیا تھا سب واپس کر دیا، پھر آپ نے از روئے شرع مالِ غنیمت کو تقسیم کیا،

اموی دور میں علم حدیث و محدثین

خلافت راشدہ کے بعد اموی دور کی ابتدا میں بھی خلافت راشدہ کی طرح امرائے فوج اور امرائے بلاد صحابۂ کرام بنائے جاتے تھے، اور غزوات و فتوحات میں ارباب علم و فضل اور اہل ورع و تقویٰ کی اچھی خاصی تعداد رکھی جاتی تھی، جس میں کبار تابعین کا عنصر غالب ہوتا تھا، ابن کثیر نے اموی خلفاء کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور دینی خدمات کو بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے،

وکان فی عساکرھم وجیوشھم — اموی دور کے غزوات میں اسلامی فوج میں

فی الغزو الصالحون والاولیاء — کبار تابعین میں سے صلحاء، اولیاء اور علماء

والعلماء من کبار التابعین فی کل جیش — ہوا کرتے تھے، ہر لشکر کے ساتھ ان بزرگوں

منھم شرذمۃ عظیمۃ ینصر — کی بڑی تعداد ہوا کرتی تھی جن سے اللہ تعالےٰ

اللہ بھم دینہ[۲] — اپنے دین کی مدد فرماتا تھا۔

اس مقدس گروہ کے افراد غزوات و فتوحات کے ساتھ اسلامی علوم و معارف کی تعلیم و تلقین کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ اور بہت سے علماء مفتوحہ بلاد میں سکونت اختیار کرکے کتاب و سنت اور فقہ کی تعلیم میں مصروف ہوجاتے تھے، ان کے پاس مرویات و احادیث کے مدونات بہت کم ہوتے تھے، اس لیے زبانی تعلیم و روایت کی خدمت انجام دیتے تھے، بعض حضرات جن کے پاس مرویات کتابی شکل میں تھیں، تو ان کی حیثیت ذاتی یادداشت کی تھی۔

۱؎ سنن ابوداؤد ۲؎ البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۸۷

کیونکہ پہلی صدی تک احادیث و آثار کی باقاعدہ تدوین نہیں ہوئی تھی، اور نہ اخبرنا، حدثنا کا طریقہ رائج ہوا تھا، ۴۰ھ سے ۹۹ھ تک یہی حال رہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنے دورِ خلافت میں احادیث و سنن کی تلاش و تدوین کے احکام جاری کیے، اور ان کے کئی مدونات و صحائف تیار ہوگئے، اور دوسری صدی کے سرے پر باقاعدہ تدوینِ حدیث کا رواج ہوا، اور ۱۴۰ھ و ۱۵۰ھ کے درمیان تقریباً پورے عالمِ اسلام میں فقہی ترتیب پر احادیث و آثار جمع کیے گئے، اس طرح اموی دورِ خلافت کا علمِ حدیث کا یہ پودا عباسی دور کی ابتدا میں پوری طرح بار آور ہوگیا، اور محدثین کرام نے اپنے اپنے مدونات و صحائف اور کتبِ احادیث کی باقاعدہ روایت شروع کردی۔

اموی دور میں باقاعدہ حلقۂ درس کے علاوہ محدثین اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اپنی مرویات بیان کیا کرتے تھے اور چلتے پھرتے حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے، یہ طریقہ دیگر ممالکِ اسلامیہ کی طرح سندھ و مکران میں بھی رائج تھا، اس کی دو چار مثالیں ملاحظہ ہوں۔

عبیداللہ بن ایاد بن لقیط ثقہ محدث اور اپنی قوم کے عریف و ترجمان تھے، ایک مرتبہ کوفہ میں خندق کھودنے کا انتظام ان کے سپرد کیا گیا، وہ مزدوروں کی نگرانی و سربراہی کے ساتھ اپنے مجموعۂ احادیث سے ان کو حدیث کی تعلیم بھی دیتے تھے، ابن شاہین نے انکے تذکرہ میں لکھا ہے

فکان یجیئ فیحضرون قدامه
وکانت له صحیفة فیها احادیثه
فاذا جاء انسان رجس الیه
بتلك الصحیفة. فکتب منها
ماارادو قرء علیه
(کتاب الثقات لابن شاہین قلمی ص..)

جب وہ آجاتے تو مزدور کھدائی کا کام شروع کرتے، انکے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں انکی حدیثیں درج تھیں، جب کوئی شخص ان کے پاس آتا تو وہ اسے صحیفہ دیدیتے اور وہ اس میں سے جتنی حدیثیں چاہتا نقل کرکے ان سے [illegible]

سَلَم بن ذیال ثقہ محدث تھے، ان سے ان کے تلمیذ معتمر نے ایک مرتبہ جہاد کے بحری سفر میں سماعِ حدیث کیا، ابن شاہین کا بیان ہے

وکان غزا معه فی البحر فسمع منه (کتاب الثقات لابن شاہین قلمی ص ۹۴)

معتمر نے سلم بن ذیال کے ساتھ بحری جہاد کیا اور اس اثنا میں ان سے احادیث کا سمع کیا

عمارہ بن عمیر تمیمی نے ایک غزوہ میں ایک محدث سے کہا کہ میں آپ کو پہچانتا ہوں، آپ ہمارے ساتھ امام ابراہیم تیمی کے حلقۂ درس میں بیٹھا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا ہاں درست ہے، اور عمارہ بن عمیر کو تیس دینار دیے۔[1]

۵۰ھ میں سندھ کے غزوۂ قیقان میں حضرت سنانؓ بن سلمہ بن محبق ہذلی رضی اللہ عنہ امیرِ لشکر تھے، ایک موقع پر میدانِ جنگ میں دشمن پر حملہ کرنے کی ایک خاص تدبیر سے کام لیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اسلامی فوج کو اس طرح حملہ کرنے کی ہدایت کس لیے دی تھی؟ انھوں نے جواب دیا،

کذلك یصنع رسول الله صلی الله علیه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں اسی طرح کیا کرتے تھے۔

بعد میں اس حدیث کو حضرت سنانؓ بن سلمہ سے ان کے تلمیذ حضرت ابوالیمان علی بن راشد نبال ہذلی بصری نے روایت کی[2]

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں احادیث کی روایت چلتے پھرتے بھی ہوتی تھی، اور باقاعدہ حلقۂ درس کے ساتھ بھی، ہندوستان میں بھی اس طرح حدیث رسول کی تعلیم و اشاعت جاری تھی،

(باقی)

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۸۸ [2] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۲۵۰

مولانا محمد علیؒ کی یاد میں

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

(۳)

مولانا محمد علی کی خواہش اور لائڈ جارج کی اجازت سے جب سید حسین نے تقریر شروع کی تو انھوں نے لائڈ جارج سے مخاطب ہو کر کہا کہ مولانا محمد علی عرب کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے، تو آپ نے ان کو روک کر پوچھا "کیا آپ عرب کی آزادی کے خلاف ہیں؟" مولانا محمد علی نے جواب دیا، "ہاں"۔ اس کی تھوڑی سی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے، ہم لوگ عرب کی آزادی سے اختلاف نہیں رکھتے، لیکن امیر فیصل نے اپنی آزادی کا اعلان جس طرح کیا ہے، اس کی نوعیت سے ضرور اختلاف ہے، اسلام کی پوری تاریخ میں عرب اب تک براہ راست خلیفہ کے ماتحت رہا ہے، تاریخ اسلام میں یہ پہلی مثال ہے کہ ایک شخص نے جو خلیفہ نہیں ہے، اس ملک پر اپنا حق جتانے کی کوشش کی ہے، اس طرح مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے مذہبی پابندیوں اور اصلی حقیقتوں میں تصادم ہوتا نظر آتا ہے،

ہم لوگ عرب کی آزادی کے مخالف نہیں ہیں، ہم اس علاقہ کی خودمختاری کے خواہاں ہیں، لیکن یہ آزادی خلافت کے ساتھ ہم آہنگ ہو، یہ کوئی ناقابل عمل چیز نہیں، کیونکہ عربوں اور ترکوں دونوں کا مذہب ایک ہے، اور اور دونوں مسلمان ہیں،

اس کے بعد سید حسین نے ہندوستان میں اس سلسلہ میں جو جذباتی ہیجان پیدا ہوا تھا، اُس کا ذکر یہ کہہ کر کیا کہ یہ وفد آل انڈیا خلافت کانفرنس کی طرف سے بھیجا گیا ہے، جو صرف مسلمانوں کی تنظیم ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ بہت سے اہم ہندو رہنما بھی ہیں یہ ہندو رہنما اس کے ساتھ اس لیے ہو گئے ہیں کہ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد اب انتہائی عروج پر ہے، ہندوؤں نے اسی اتحاد کے جذبہ میں محسوس کیا ہے کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں سے بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے، اسی لیے وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں، دس بیس برس پہلے تک برطانوی حکومت کے دور میں ہندو مسلمان ایک دوسرے سے علحدہ رہے، جب انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی تھی تو مسلمانوں نے اس تحریک کی مخالفت کی، لیکن رفتہ رفتہ مسلمان اس میں شریک ہونے لگے، اور اب یہ غیر معمولی صورت دیکھنے میں آتی ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں، ہم لوگ ہندوستان کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل ملاپ ہے، برطانوی امپائر میں دنیا کی سب سے بڑی مسلم طاقت آباد ہے، جزیرۃ العرب جیسے مذہبی مسئلہ کا تعلق ہندوستان کے نہ صرف مسلمانوں سے ہے بلکہ اس ملک کے اور دوسرے لوگوں

کو بھی اس سے تعلق ہو گیا ہے۔ اگر یہ مسئلہ مسلمانوں کی مذہبی امنگوں کے مطابق طے ہو گیا تو برطانوی امپائر کے ساتھ اسلام اور ہندوستان یعنی ہندوستان کے مسلمان اور ہندو دونوں ہونگے جس کے بعد برطانوی دولت مشترکہ کو اسلامی ممالک کی بھی ہمدردی حاصل رہے گی۔ دنیا میں بڑے بڑے تغیرات ہو رہے ہیں، اگر ہندوستان، اسلام اور برطانیہ کا حقیقی اتحاد عمل میں آجائے، تو برطانوی امپائر کا مستقبل شاندار ہو جائے گا۔

اس وضاحت کے بعد وزیر اعظم (لائڈ جارج) بولنے کے لیے کھڑے ہوئے، اس تقریر میں وزیر اعظم نے اپنی اُن تمام عیارانہ ہوشمندی اور مغرورانہ تدبر کا جوہر دکھایا جس کے لیے انگریز سیاست داں ایک سامراجی قوت کی حیثیت سے اس وقت مشہور تھے، ان کے پاس قوت تھی جس سے مدبرانہ دماغ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ اس قوت اور تدبر کے ذریعہ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے لوگوں سے سیاست کی آنکھ مچولی کھیلتے رہے، جس کا ایک نمونہ ذیل کی تقریر ہے، اس کو پہلے غور سے پڑھ لیں، پھر اس کی سیاسی دھاندلیوں کا تجزیہ بعد میں کیا جائے گا۔ لیکن ناظرین کی توجہ لائڈ جارج کی ایک تقریر کے اس حصہ کی طرف دلانا ضروری ہے، جس میں انھوں نے اتحادیوں کے ایک فوجی سپہ سالار جنرل الن بائی کو خراج تحسین پیش کرتے وقت کہا تھا کہ ان کا نام ہمیشہ کے لیے اس حیثیت سے یاد کیا جائے گا کہ وہ ایک ذہین اور قابل قدر فوجی سردار بن کر صلیبی لڑائیوں کے سلسلہ کی آخری لڑائی لڑے، جس میں ان کو بہت ہی شاندار فتح حاصل ہوئی، یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ انھوں نے اپنی جنگی صلاحیت سے ایک ایسی لڑائی کا خاتمہ شاندار طریقہ سے کرایا جس میں یورپ کی سپہگری صدیوں سے ملوث ہوتی تھی، اب ہم اس خیال کو فراموش کر دیں کہ نسلاً بعد نسلٍ یورپ کی جنگی قوت بیکار قسم

کی لڑائیوں میں ضائع ہوتی رہی، کیونکہ برطانوی فوج نے جنرل الن بائی کی نگرانی میں ایک ایسی فتح حاصل کر لی ہے کہ جس کے بعد اس سلسلہ کی لڑائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ اسکے بعد وزیر اعظم کی تقریر کا متن پڑھیں:

وزیر اعظم۔ حضرات! آپ لوگوں نے اپنے معاملے کو پوری وضاحت اور اعتدال کے ساتھ پیش کیا، میں ایک حکومت کا سربراہ ہوں، اور مجھکو ایسے امپائر سے تعلق ہے، جس کے متعلق آپ نے خود ہی کہا ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا مسلم امپائر ہے، مجھ پر یہ لازم ہے کہ اس امپائر کے کسی حصہ کی بھی رعایا جو کچھ کہے اس کی سماعت کروں جب ہم لوگ پیرس میں تھے، تو ہندوستان کے جو مسلمان نمائندے وہاں آئے، ان کی باتوں کو ہم لوگوں نے غور سے سنا، شروع میں ان کی نمائندگی دو لائق ہندوستانیوں نے کی، جو مسلمان تو نہ تھے، لیکن اپنے مسلمان ہموطنوں کے ساتھ انصاف کیے جانے کے خواہاں تھے، مہاراجہ بیکانیر اور لارڈ سنہا نے اس مسئلہ کو برطانوی امپائر کے وفد کے سامنے پیش کیا۔ یہ وفد برطانیہ عظمیٰ ہی کا وفد نہ تھا، بلکہ پورے امپائر کا تھا، یہ دونوں وفد میں شریک تھے، اس کے بعد مسلمانوں کا بھی ایک وفد مرتب ہوا، جس میں کچھ تو برطانیہ کے رہنے والے تھے، اور کچھ ہندوستان سے آکر اس میں شریک ہوئے، اور میری خواہش پر اتحادیوں کی سپریم کونسل نے اس وفد کی باتیں سنیں، اس کونسل میں میرے علاوہ کلی مانسو، صدر ولسن، سینزاولینڈو تھے، ہم سب نے اس وفد کی باتوں کو بہت ہی غور سے سنا، اس نے ترکی کے معاملات اور مسلمانوں کے جذبات کو بہت ہی موثر طریقہ سے پیش کیا، میں ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ ان کا یہ معاملہ بہت اچھی طرح اور پوری قوت سے پیش کیا جا چکا ہے، اور اس کی سماعت برطانوی امپائر کے وفد کی

خواہش کے مطابق اتحادیوں کی سپریم کونسل نے پوری احتیاط کے ساتھ کی ہے، ہم لوگ جس فیصلہ پر پہنچے، اس کے لیے ہم نے پہلے ساری باتیں سنیں، تمام دلائل کو بڑی احتیاط کے ساتھ پرکھا، سارے واقعات سامنے رکھے، اور دنیا کے ہر خطہ کے مسلمانوں کی اپیلوں کا لحاظ رکھا ہے۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ برطانوی امپائر کے مسلمان اپنے دل سے یہ بات نکال دیں کہ ہم لوگ ترکی کے معاملے میں وہ تمام باتیں اختیار نہیں کرتے ہیں جو عیسائی ممالک کے ساتھ اپناتے ہیں، ہم لوگ تو تین عیسائی اور ایک مسلمان ملک سے برسرپیکار رہے، ہم لوگ ان میں سے کسی سے بھی لڑنا نہیں چاہتے تھے، ترکی کے حکمران تو خود ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے، ہم لوگوں کے ذہن میں یہ بات بالکل نہ تھی کہ ترکی سے بھی لڑائی لڑنی ہوگی، جہانتک میرا مطالعہ ہے، برطانیہ نے کبھی ترکی سے جنگ نہیں کی، ہم تو ترکی کی حمایت میں دو سرحدوں سے جنگ کرتے رہے، ہم نے تو روس کے وحشیانہ حملے کے خلاف ترکی کو بچانے کے لیے سب سے زیادہ ہولناک لڑائیوں میں سے ایک لڑائی لڑی ہے، میری مراد کریمیا کی جنگ سے ہے، ۱۸۵۴ء میں ہم ترکی کی حمایت ہی میں روس سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے، میری یاد جہانتک کام کرتی ہے، ہم نے ترکی سے کبھی جنگ نہیں کی، ایک دو ناگزیر واقعات ترکی کے ساتھ ضرور ہو گئے، لیکن اس سے باضابطہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی، ہم تو ترکی کی خاطر ہی برابر جنگ کرتے رہے، لیکن جب ہم بڑی ہولناک لڑائی میں مشغول تھے، تو ترکی نے ہمارے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس ہولناک لڑائی میں ہمارے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ ہم کو بحر اسود سے ہو کر راستہ ملے، لیکن اس راستہ کو حاصل کرنے کے لیے دو برس لڑائی کی مدت اور بڑھ گئی، ترکی نے ہمارے لیے یکایک دروازہ بند کر دیا، ہم اس کے پرانے

اتحادی تھے، ہمارے ساتھ اس کا کوئی جھگڑا نہ تھا، لیکن طلعت پاشا اور انور پاشا نے ہماری راہیں مسدود کر دیں، جس سے اتحادیوں کو بلاشک وشبہ بڑا خطرہ پیدا ہو گیا، میرا خیال ہے کہ فرانس نے بھی ترکی سے کبھی جنگ نہیں کی، وہ ترکی کا ہمیشہ دوست رہا ہے، فرانس بھی کریمیا کی لڑائی میں ہمارے ساتھ تھا، جو ترکی کی حمایت میں لڑی گئی، اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آنی چاہیے کہ ہم نے ترکی سے اس لیے جنگ کی کہ ہم اسلام کے خلاف ایک صلیبی جنگ لڑنا چاہتے تھے۔

ہمارے ذہن میں یہ بات بھی نہیں رہی کہ ہم دنیا کے کسی حصہ میں بھی اسلام کے خلاف لڑائی لڑنی چاہتے ہیں، جنگ کے درمیان ہم نے بار بار کوشش کی کہ اس کا خاتمہ دوستانہ طور پر ہو جائے، ہماری لڑائی ترکی سے نہ تھی، ہم تو موت وزیست کی لڑائی جرمنی اور اس کی فوجی قوت سے لڑ رہے تھے، ہم کو گہرا افسوس ہے کہ ینگ ٹرکش پارٹی نے اپنے ملک کو ورغلا کر ہم سے برسرپیکار کر دیا، مجھکو یقین ہے کہ ترکی ہم سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا، میرا مطلب ہے کہ ترکی کی اکثریت جنگ کی خواہاں نہ تھی، لیکن ہم کو دکھ ہے کہ اس کے حکمرانوں نے اپنے ملک کو اس کے لیے آمادہ کیا کہ وہ اپنے پرانے اتحادی اور دوست یعنی برطانیۂ عظمیٰ سے لڑ جائے، یہ صورت حال ہے، وہ لڑنے کے لیے مصر ہوئے، انھوں نے ہمارے لیے وہ دروازہ بند کر دیا جس سے ہو کر ہم رومانیہ اور روس کی مدد کو پہنچ سکتے تھے، اس طرح جنگ کی مدت دو سال اور بڑھ گئی اب ترکی کو شکست ہو گئی ہے، جرمنی بھی ہار چکا ہے، اسٹریا کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں، یہ ایک امپائر تھا، اب اس کے حصے بخرے ہو چکے ہیں، اس کے علاقے علحدہ علحدہ ہو گئے ہیں، یہ کوئی مسلمان ملک نہیں ہے، عیسائی ملک ہے، اس لیے صلیبی جنگ کا

خیال لانا بیکار سی بات ہے، ہم اسٹریا کے خلاف صلیبی جنگ نہیں لڑ سکتے تھے، اس کو اپنی
شکست کی سزا ملی ہے، اس کے پرخچے اڑ گئے ہیں، اور جرمنی کس حال میں ہے؟ ہم لوگ اس سے
السس لورین لے چکے ہیں، اس سے پولینڈ بھی لے لیا گیا ہے، اس کو ہم لوگوں نے بہت ہی
سخت شرائط منظور کرنے پر مجبور کیا ہے، وہ بھی عیسائی ملک ہے مسلمان ملک نہیں ہے،
ہم نے ان ملکوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ محض اس لیے کہ ہم حقِ خود ارادیت کے
اصول کو ان ملکوں میں نافذ کرانا چاہتے تھے، جہاں کے لوگوں پر مظالم ہو رہے تھے، اور
یہ ملک جنگ کی اشتعال انگیزی کر کے دنیا کی آزادی کو برباد کرنا چاہتے تھے، اسٹریا میں
زیکوسلویک برابر کہہ رہے تھے کہ ہم اسٹریا کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے ہیں، ہم نے ان سے
کہا بہت خوب، اسٹریا کو امپائر بننے کا حق نہیں رہا، اب ہم لوگ تم کو اس سے آزاد کرا کے
دم لیں گے، سربیا کے رہنے والوں نے بھی یہی کہا، ہم نے ان سے بھی کہا کہ بہت اچھا، سربیا
میں اپنی حکومت بنا لو، ٹرانسلوینیا نے بھی یہی خواہش ظاہر کی، اور ہم نے اس خواہش کا
احترام کیا، اس طرح ہندوستان کے مسلمان یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے عیسائیوں کے ساتھ جو
اصول استعمال کیے، وہ مسلمانوں کے ساتھ نہیں کیے، ہم نے ترکی کے ساتھ ظالمانہ سلوک نہیں
کیا، جو اصول جرمنی اور اسٹریا کے عیسائیوں کے ساتھ برتا گیا، وہی ترکی میں عمل میں آیا،
مسٹر محمد علی انصاف چاہتے ہیں، ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ترکی کے ساتھ انصاف کیا جائیگا،
اسٹریا کے ساتھ انصاف کیا گیا، جرمنی نے انصاف پایا، گو یہ خوفناک قسم کا انصاف رہا، اب
ترکی کو کیوں چھوڑا جائے، ترکی کو یہ خیال رہا کہ اسکو ہم سے جھگڑا ہے، ترکی کو ہم سے کیا جھگڑا
تھا؟ اس نے کیوں آگے بڑھ کر اس وقت ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی جب ہم
موت و زیست کی لڑائی لڑ رہے تھے؟ اس طرح اس نے دنیا کی آزادی کا خاتمہ کر دینا چاہا،

کیا کوئی ایسا مختلف سبب ہے جس کی بدولت ہم ترکی پر وہ اصول نافذ کریں جو ہم جرمنی
اور اسٹریا کے عیسائیوں پر کر چکے ہیں، میں ہندوستان کے مسلمانوں پر یہ ظاہر
کرنا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ ترکی کے ساتھ جو سخت رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ
اس لیے نہیں کہ یہ مسلمان ملک ہے، ہم یہاں اُن ہی اصولوں کو عمل میں لا رہے ہیں
جو ہم اسٹریا میں لا چکے ہیں، جہاں عیسائیوں کی بہت بڑی آبادی ہے،
یہ اصول کیا ہیں؟ یہ حقِ خود اختیاریت کے اصول ہیں جو ایسے امپائر میں عمل میں
لائے جاتے ہیں جن سے حکومت کرنے کا حق سلب کر لیا جاتا ہے، عربوں نے آزادی
کا دعویٰ کیا ہے، انھوں نے فیصل کو شام کا بادشاہ مان لیا ہے، وہ خواہاں ہیں کہ
ان کا تعلق ترکش امپائر سے ختم کر دیا جائے، کیا آپ کی یہ تجویز ہے کہ عربوں کو
ترکوں کی سلطنت میں محض اس لیے رہنا چاہیے کہ وہ مسلمان ہیں؟ کیا ان کو اسی قسم
کی آزادی نہیں دینی چاہیے، جو عیسائیوں کو دی جا چکی ہے؟ کروشیا کے لوگ آزادی
کے طلبگار رہے، ہم نے یہ آزادی ان کو دی، یہاں تو عیسائی رہتے ہیں، شام نے
آزادی طلب کی، اور یہ ان کو دی گئی، یہی اصول عیسائیوں کے ملکوں میں لائے
جا رہے ہیں، عربوں کی خواہش نہیں ہے کہ وہ ترکی کے سلطان کے ماتحت رہیں، لیکن
ان کی خواہش کے خلاف کچھ کیا گیا تو اس قسم کا رویہ ہم عیسائیوں کے ملکوں میں
اختیار کرنے کو سوچ بھی نہیں سکتے،

اب میں ایک دوسری بات کہنا چاہتا ہوں، اور وہ تھریس سے متعلق ہے،
جہاں سے معلومات حاصل کرنا بہت مشکل ہے، لیکن میرے سامنے ترکوں اور یونانیوں

دونوں کے تیار کردہ آبادی کے شمار کے اعداد ہیں، دونوں میں بہت کم اختلاف ہے، دونوں کے اعداد شمار کے لحاظ سے تھریس میں مسلمانوں کی اقلیت ہے، اگر یہ صحیح ہے تو حق خود اختیاریت کے اصول سے تھریس کا پورا علاقہ ترکی حکومت سے علٰحدہ کر دیا جائیگا، سمرنا میں بھی یہی صورت حال ہے، ہم نے ایک غیر جانبدار کمیٹی کے ذریعہ سے سمرنا کے صوبہ کی بڑی محتاط تحقیقات کرائی ہے، ہم لوگ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہاں آبادی کی بڑی اکثریت غیر ترک ہے، وہاں مسلمان ہیں لیکن وہ یونانی ہیں، جہانتک میں سمجھتا ہوں کہ یہاں کی آبادی کی اکثریت ترکوں کی حکومت کے بجائے یونانیوں کی حکومت کی خواہاں ہے،

خلافت کی دنیاوی قوت کا ایک دوسرا مسئلہ یہاں پیش کیا گیا ہے، مسٹر محمد علی اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ایک روحانی پیشوا کی دنیاوی قوت کا مسئلہ صرف اسلام ہی کے ساتھ لاحق نہیں ہے، عیسائی دنیا میں بھی یہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ بنا ہوا ہے، رومن کیتھولک گرجا کے سربراہ کے دنیاوی اختیارات کے سلسلہ میں ایک نسل سے زیادہ مدت سے خوفناک تنازعے جاری ہیں، کچھ رومن کیتھولک تو دنیاوی اختیارات کے حق میں ہیں، لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے حق میں نہیں ہیں، میں اس سلسلہ میں اپنی رائے کوئی ظاہر کرنا نہیں چاہتا ہوں، لیکن جب پوپ کو اس کی دنیاوی طاقت سے محروم کر دیا گیا، تو اس کی روحانی قوت ویسے ہی عظیم رہی، بلکہ عظیم تر ہو گئی، میں ایسے مخلص، راسخ اور سچے مسلمانوں کو جانتا ہوں جو خلیفہ کی دنیاوی قوت سے متعلق وہ رائے نہیں رکھتے جو مسٹر محمد علی رکھتے ہیں، میری یہ معلومات اسی طرح کی ہے جس طرح کہ رومن کیتھولک سے متعلق ہے، ان میں کچھ تو پوپ کے دنیاوی اختیارات کے قائل ہیں اور کچھ اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں، یہ ایک ایسا متنازعہ فیہ مسئلہ ہے جس میں دخل دینا پسند نہیں کرتا ہوں

لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ترک اب اپنے دنیاوی اختیارات صرف ترکوں کی زمین ہی میں استعمال کریں گے، ان کو ایسے علاقے پر حکومت کرنے نہ دینا چاہئے جہاں ترک نہیں ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ یہی اصول یورپ کے عیسائی ملکوں میں بھی کارفرما ہے، اور یہی اصول ترکوں کے ساتھ برتنا چاہئے،

جہاں تک آرمینیوں کے قتل کا تعلق ہے، اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں، مسٹر محمد علی کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی غیر جانب دار تحقیقات نہیں ہوئی، یہ صحیح ہے، جنگ کے زمانے میں بدترین قسم کا قتل عام ہوتا رہا، کسی نے اس کی تحقیقات نہیں کرائی، لیکن میں اس وقت پیرس میں آنے والے ترکوں کے نمایندوں کا جواب نقل کرتا ہوں، ان کا جواب تھا کہ اس زمانہ میں مجلس اتحاد وترقی برسراقتدار تھی، اسی کے ذریعہ سے آرمینیوں کا قتل عام ہوا، لیکن اسی نے تیس لاکھ مسلمانوں کا بھی قتل کرانے کا جرم کیا،" لیکن یہ کوئی جواب نہیں، یہ سزا دینے کا سوال نہیں ہے، بلکہ اچھی حکومت کرنے کا سوال ہے، آٹھ لاکھ یونانی ہوں یا تیس لاکھ مسلمان ہوں، ایک حکومت اپنی رعایا کی حفاظت نہیں کرسکتی ہے، خواہ یہ عیسائی ہوں یا مسلمان، ان کا قتل عام ہو جائے تو پھر اس کو حکومت کرنے کا حق نہیں ہے، ہم تمدن کے مفاد کی خاطر اس قسم کے واقعات پر نگرانی کرنے اور ان کو قابو میں رکھنے پر مجبور رہیں، یہ اب بالکل صاف ہو چکا ہے کہ ترکی حکومت اپنی رعایا کو محفوظ رکھنے کے لائق نہیں رہی، اب ذرا حقائق پر غور کریں، ایشیائے کوچک میں ترکوں کی حکومت بہت زیادہ قدیم نہیں ہے، ہم گفتگو کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترک ایشیائے کوچک کے ہمیشہ مالک بنے رہے، لیکن یہ حقیقت نہیں ہے، ہماری معلومات تو یہی ہے کہ یہاں بہت ہی بری حکومت رہی، یہ علاقہ پہلے بہت ہی مالدار تھا، اس کی دولت سے دوسرے علاقوں کو فائدہ پہنچتا رہا،

لیکن اب یہ متمول علاقہ نہیں رہا، ویران اور غیر آباد ہو چکا ہے، ان باتوں کو بھی آپ سامنے
رکھیں، یہاں کا کسان اپنے فارم کے لیے بہت برا ہو چکا ہے، حالانکہ یہ حصہ بحر روم کے علاقہ
کے لیے زراعت کا بڑا گودام سمجھا جاتا تھا، لیکن یہ اب ایسا نہیں رہا، اس علاقہ کو اب
برباد اور ویران ہوتے نہیں دیکھنا چاہیں گے متمدن دنیا کا تقاضا ہے کہ اس پر قابو
پایا جائے، ترکوں کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ ان کا ملک ہے، اگر وہ اس کو برباد
کرنا چاہتے ہیں تو یہ ان کا اپنا معاملہ ہے، اب کسی ملک کو بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ
اس کا تعلق کسی نسل سے نہیں ہے، مسلمان اور عیسائی ہونے کا سوال نہیں ہے، اگر
وہاں عیسائی ہوتے اور اس عظیم علاقہ کو برباد کرتے دکھائی دیتے تو پھر دنیا کے لیے وہی
سارے اقدام کرنے ضروری ہو جاتے جو اب وہاں کیے گیے ہیں، اس وقت یورپ میں
چیزوں کی کمی محسوس ہو رہی ہے، ہم لوگ ایک دوسرے کے لیے ضروری ہو گئے ہیں،
صرف یورپ ہی کے ممالک کا نہیں ایک دوسرے پر انحصار ہے، بلکہ یورپ کا انحصار
ایشیا پر اور ایشیا کا انحصار یورپ پر ہو گیا ہے ہم سب کو اسکا خیال رہتا ہے کہ بڑے
علاقے بری حکومت کی وجہ سے ویران ہونے نہ پائیں، اسی وجہ سے ایشیائے کوچک
میں ہم سب کا ایک مشترک مفاد ہے، اگر ترک یہاں اچھی حکومت کرتے اور اسکا
اچھا نظم و نسق قائم رکھتے تو یورپ کا کوئی ملک ایسا نہ ہوتا جو ان سے یہ نہ کہتا،
"خدا تمھارا بھلا کرے، تم پھلو پھولو" - پھر ہم لوگ یہاں مداخلت کرنے کا خواب بھی نہیں
دیکھ سکتے تھے، بلکہ ان کو اپنے مذہب کے ساتھ یہاں ترقی کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتے،
لیکن میرا خیال ہے کہ یہاں ترکوں کی حکومت پر اسلام فخر نہیں کر سکتا ہے،
آپ ذرا اس نقطۂ نظر سے بھی ترکی کے مسئلے پر غور کریں، کیا اسلام ترکوں کی

سلطنت پر فخر کر سکتا ہے؟

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان ان ہی باتوں پر غور کریں،
جنگ کے زمانے میں وہ برطانوی تخت اور امپائر کے وفادار بنے رہے، کچھ استثنائی مثالیں
ضرور ہیں، لیکن ایسی مثالیں عیسائیوں کی بھی ہیں جو مسلمان وفادار رہے اور جو نہ رہے، اُن میں
کوئی ایسا امتیاز برتنا نہیں چاہتا ہوں جس سے ان کو نقصان پہنچ جائے، بہت سے
عیسائی بھی غیر وفادار ہوئے، اس لیے میں کوئی ایسی بات کہنا پسند نہ کروں گا جس سے
محمڈن ازم پر تنقید کا اظہار ہو، ہندوستان کے مسلمان تخت اور امپائر دونوں کے
وفادار رہے، ہم لوگ ان کے ممنون ہیں، انھوں نے جنگ میں ہماری مدد کی، ہم کو خوشی سے
اس کا اعتراف ہے، ہم کو اس کا بھی احساس ہے کہ ان کو حق ہے کہ وہ اپنی تمام باتیں ہم سے
کہیں جن کا تعلق اسلام سے ہے، ہم نے بھی ان کی باتیں سنیں اور ان کی خواہشوں کا لحاظ رکھا،
اور جو فیصلہ ابتک ہو چکا ہے، اس میں ان کی خواہش کا لحاظ رکھا گیا ہے، یہ فیصلہ ہندوستان
کی رائے اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات کو سامنے رکھکر کیا گیا ہے، لیکن
ہم ایک مسلمان ملک کے لیے کوئی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے جو اصولی حیثیت سے ان عیسائی
ملکوں سے مختلف ہو جن سے ہم لوگ برسرپیکار رہے، یہی آپ لوگوں سے کہنا تھا، میں آپ کا
شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپنے اپنے مسئلہ کو میرے سامنے بہت واضح طریقہ پر پیش کیا۔"

مولانا محمد علی لائڈ جارج کی اس تقریر کو بھلا کیسے گوارا کر سکتے تھے، ان کی آتش فشاں
طبیعت تقریر کے درمیان ہی میں کیوں نہ پھٹ پڑی، یہی تعجب کی بات ہے، وہ ضبط کیے
بیٹھے رہے، لیکن جب تقریر ختم ہوئی تو وہ اپنی تلملاہٹ کو دبا نہ سکے اور بڑی جرأت سے بول اٹھے
مولانا محمد علی۔ کیا میں ایک دو باتیں عرض کر سکتا ہوں مجھکو ترکوں کی طرف سے اعلان جنگ

کے سلسلہ میں کچھ گذارش کرنی ہے، ہم لوگ ترکی کی حمایت یا مدافعت کرنا نہیں چاہتے، لیکن ہز مجسٹی کی حکومت کے لیے یہ بات ضرور غور طلب ہے کہ ترکی کے امپائر کی جنگ صرف برطانیۂ عظمیٰ سے نہ تھی، جب اتحادیوں کا ایک عظیم معاہدہ ہوا تو ترکوں کو یہ ضرور خیال پیدا ہوا ہوگا کہ ان اتحادیوں میں ان کا سب سے بڑا قدیم دشمن روس بھی ہے، مجھکو یقین کامل ہے کہ اگر یہ جنگ صرف انگلستان یا فرانس کی ہوتی تو کوئی ترک بھی ان دونوں ملکوں سے جنگ کرنے کا خواہاں نہ ہوتا۔

اسی زمانہ میں لائڈ جارج نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ جب وہ وزیر اعظم کے عہدہ پر ۱۹۱۵ء میں فائز ہوئے تو روس، فرانس، اٹلی اور یونان سے بہت سے معاہدے ہو چکے تھے، جن سے ترکی کے حصے بخرے ہو گئے، مگر اپنے اس بیان کو نظر انداز کرتے ہوئے مولانا محمد علی کو روک کر سراسر کذب بیانی سے کام لیا، اور بولے:-

وزیر اعظم میں یہ بات بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جب جنگ شروع ہوئی تو ہم لوگوں نے کوئی سمجھوتہ روس سے نہیں کیا تھا، کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہوا تھا، جس سے ترکی یا اور کسی کو نقصان پہنچتا، اس موضوع پر کہیں کوئی بحث و تمحیص بھی نہیں ہوئی تھی، اور میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ ہم لوگوں نے جنگ کرتے وقت کوئی پوشیدہ معاہدہ بھی کسی سے نہیں کیا تھا، اس لیے ترکی کے لیے کوئی یہ خطرہ نہ تھا کہ ہم لوگ روس سے مل کر ترکی سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے، ہماری لڑائی تو صرف جرمن سے تھی، ہم لوگوں کے ذہن میں بھی ترکی نہ تھا۔"

اس جواب میں جو تضاد پیدا ہو گیا ہے، اس کی طرف ناظرین کا ذہن منتقل کرانا ضروری ہے، لائڈ جارج اپنی تقریر میں پہلے کہہ چکے تھے کہ ترکی کے ماتحت ایشیائے کوچک

بحیرۂ روم کے علاقے کے لیے ایک بڑا زراعتی گودام تھا جس کو ترکوں نے اپنی بُری حکومت سے برباد اور ویران کر دیا، متمدن دنیا اس کو برباد ہوتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں کر سکتی تھی، پھر انھوں نے یہ کیسے کہا کہ جنگ کرتے وقت ترکی ان کے ذہن میں نہ تھا، مولانا محمد علی نے اس تضاد سے فائدہ اٹھایا، اور انھوں نے اس کا جواب اس طرح دیا:

مولانا محمد علی۔ ترکوں پر ہولناک جرائم کے الزامات رکھے گئے ہیں، اسکے معنے یہ ہیں کہ ان کے حصے بخرے اس لیے کیے گئے کہ وہ غیر روادار، خراب اور نالائق حکمراں ثابت ہوئے،

وزیر اعظم۔ ان کی حکومت نااہل تھی،

یہ جملہ سن کر مولانا محمد علی اور بھی زیادہ تلملا گئے، ان کی ملی غیرت اور ایمانی حمیت جوش میں آگئی، اور پھر بڑی جرأت سے بولے:

مولانا محمد علی۔ بہت خوب جناب عالی! تو اب میں صرف یہ کہکر اپنے اس فرض کو ادا کروں گا جو میرے لوگوں نے مجھ کو سپرد کیا ہے کہ جہاں تک ہمارے مذہبی معاملات کا تعلق ہے، ہمارے لیے ان میں کسی قسم کی مصالحت کرنا ممکن نہیں، ہمارے مذہب کا ہم پر حق ہے، جس کو پورا کرنا ہے، ہمارے جو مذہبی فرائض ہیں ان کا احترام کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، مسلمان برابر برطانوی حکومت کے ساتھ اپنا حق ادا کرتے رہے، ہم ان مسلمانوں سے واقف نہیں جن کی استثنائی مثالوں کا ذکر آپ نے کیا ہے، جنگ کے زمانہ میں ہندستان میں کوئی ایسا مسلمان نہیں تھا جو ہز مجسٹی کی حکومت کا وفادار نہ رہا ہو، لیکن یہ وفاداری ان کی مذہبی

آزادی کے ساتھ مشروط رہی، ہم پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ خلیفہ کی دنیاوی
طاقت کے برقرار رکھنے، مسلمانوں کے مقدس مقامات پر اس کی نگرانی کو بحال
اور ان پر مسلمانوں کا قبضہ تسلیم کرانے کے معاملات کو اچھی طرح پیش کریں،
ہم نے وائسرائے اور مسٹر فشر کے سامنے یہ مسائل پیش کیے، آپ سے بھی یہ کہنا
ہے کہ ہم اپنے ان مذہبی معاملات کو ہر موقع پر اولیت دیں گے،

لائڈ جارج اپنی فرعونیت میں کچھ جھنجھلا اٹھے، اور بولے کہ اگر ہم پھر بحث
و مباحثہ کرنا شروع کر دیں گے تو پوری رات ختم ہو جائے گی،

اس کے بعد مولانا محمد علی نے رسمی شکریہ ادا کرتے وقت کہا کہ آپ نے جو کچھ
کہا ہے، وہ ہم اپنے ہموطنوں تک پہنچا دیں گے،

مولانا محمد علی اپنے دلائل سے برطانوی وزیر اعظم کے کالے ضمیر کو تو نہ جھنجھوڑ سکے،
لیکن اس زمانہ کے ہندوستانی اخباروں میں لائڈ جارج کی تقریر کی غلط بیانیوں
کے پرخچے اڑا دیے گئے،

برطانوی مدبروں کی امتیازی خصوصیات یہ رہی ہیں کہ وہ خوبصورت
سیاسی اصطلاحات اور دل فریب الفاظ کی ٹٹیوں کی آڑ میں ہر طرح کے شکار
بہت ہی ماہرانہ انداز میں کھیل سکتے ہیں، حق خود اختیاری اور آزادی پر لائڈ جارج
نے نظری طور پر کیسی عمدہ تقریر کر دی، مگر ان کا اور ان کے اتحادیوں
کا عمل کیا رہا، وہ اس سے اندازہ ہو گا کہ مصر تو برطانوی محافظت میں آگیا،
شام کو *Mandatory power* قرار دے دیا گیا، اور اس پر فرانس کی
نگرانی رکھی گئی، عادلیہ پر اٹلی مسلط کیا گیا، سمرنا یونان کے حوالے ہوا،

فلسطین میں یہودیوں کے وطن کی بنیاد رکھ دی گئی، مسوپوٹومیا کے چودھری
انگریز بنائے گئے، تھریس ترکی سے نکال کر یونان کے حلقۂ اثر میں دے دیا گیا،
قسطنطنیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ترکوں اور اتحادیوں میں تقسیم کر دیا گیا، ترکی کو ایشیا
میں بھی اقتدار اعلیٰ نہ دیا گیا، اور اقتصادی طور پر اس کو مفلوج کر کے بیرونی
ملکوں کا محتاج کر دیا گیا، اور یہ سب کچھ حقِ خود اختیاریت کے نام پر ہوا، جس
کے سب سے بڑے علمبردار لائڈ جارج تھے، اور جو ہندوستان میں
آزادی کی تحریک کو کچلنے کے لیے اپنی حکومت کی ساری قوت کو بروئے کار
لانے کے لیے ہمیشہ مستعد رہتے تھے،

مولانا محمد علی لائڈ جارج سے بددل ہوئے تو انھوں نے برطانوی
باشندوں کے ضمیر کو جگانے کی کوشش کی، جس کے لیے ۲۳ مارچ ۱۹۲۰ء کو
ایسکس ہال میں اینگلو اوٹامن سوسائٹی کے سکریٹری مسٹر آرتھر فیلڈ نے
ایک جلسۂ عام کرایا، وہ ترکوں کے بڑے دوست تھے، اور جنگ کے زمانے
میں جب برطانیہ میں ترکی ایک دشمن ملک قرار دے دیا گیا تھا، تو اس وقت
بھی وہ ترکوں کے ساتھ انصاف کرانے کے لیے کوشاں اور خواہاں رہے،
جلسہ میں بڑا اچھا اجتماع رہا، بہت سے برطانوی شہری جمع ہوئے، ممتاز
شرکا میں وفد خلافت کے ارکین کے علاوہ مارماڈیوک پکتھال، لیلینڈ بکسٹن،
آرنلڈ بکسٹن، ڈگلس فوکس پٹ، بی۔ جی ہارنی مین (اڈیٹر بمبئی کرانیکل)
مسز سروجنی نائیڈو، جے۔ ایم۔ پارکھ (برٹش کمیٹی آف انڈین نیشنل
کانگریس)، ام۔ ٹی۔ قادر بھائی (انجمن ضیاء الاسلام بمبئی) ڈاکٹر عبدالماجد

(اسلامک سوسائٹی) وغیرہ تھے،

جلسہ مارماڈیوک پکتھال کی صدارت میں ہوا، وہ اینگلو اوٹامن سوسائٹی کے صدر تھے، اسلام قبول کرلیا تھا، آخر میں ہندوستان آگئے تھے، حیدرآباد دکن کے مشہور رسالہ اسلامک کلچر کے اڈیٹر بھی رہے۔ Meaning of The Glorious Quran کے مصنف کی حیثیت سے بہت مشہور ہیں، دل میں اسلام کا درد شروع سے رکھتے تھے، انھوں نے اپنے صدارتی خطبہ میں لائڈ جارج کی تقریر پر سخت نکتہ چینیاں کیں اور ان کے تمام بیانات کو سراسر غلط قرار دیا، خلاصہ یہ ہے:-

"میں دعویٰ کرسکتا ہوں کہ میں ترکوں کے مسائل پر سند کی حیثیت رکھتا ہوں، میں نے ان کا مطالعہ پچیس ۲۵ سال تک کیا ہے، لائڈ جارج نے شاید پچیس منٹ بھی ترکی کی تاریخ کا مطالعہ نہ کیا ہوگا، میں نے جب ان کی تقریر انگریزی اخبار میں پڑھی تو میری گردن شرم سے جھک گئی، یہ ایسے غلط بیانات کا مجموعہ ہے کہ کوئی بھی مستشرق ان کی تردید کرسکتا ہے (تالیاں) انگلستان اور اس کے مشرقی امپائر کے درمیان جو تعلقات قائم ہیں، ان کی باہمی محبت و وفاداری کو استوار رکھنے کی خاطر ہم لوگ برسوں سے جدوجہد کررہے ہیں، اسلیے لائڈ جارج کی تقریر میں برطانوی باشندوں کے ذہن کی عکاسی نہیں ہے (تحسین)، روس صدیوں سے ترکوں کے مسائل میں شیطانی حرکتیں کررہا ہے، ماضی میں انگلستان، آزادی اور ترقی کا دوست بن کر روسیوں کی شیطنت سے ترکوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن سیاستدانوں کا ایک گروہ اب ایسا

پیدا ہوگیا ہے، جو عیسائی دنیا کو متحد کرکے دنیا کے غیر عیسائیوں پر حاوی ہونا چاہتا ہے، اور ان کے استحصال کی فکر میں لگا ہوا ہے، ان کو اس مقصد کی برآری مقدس روس ہی کے ذریعہ نظر آئی، اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ مقصد ان کے خیال میں تو بہت عمدہ ہے، لیکن یہ برطانوی امپائر کے مفاد اور دیرپا بقا کے لیے سراسر منافی ہے، اس امپائر کی بنیاد مذہبی رواداری پر رکھی گئی ہے، لیکن آج ہم کیا دیکھ رہے ہیں، ایک طرف تو لیگ آف نیشنز اور عیسائی قومیں ہیں جو دوسروں کو برباد کرنے میں لگی ہوئی ہیں، دوسری طرف برطانوی امپائر ہے جس میں بے اطمینانی، اجنبیت اور حکومت کی بدنظمی پھیلی ہوئی ہے، جب انگلستان اپنی عظیم روایات سے منہ موڑ کر روس کا ساتھی بن گیا، اسی وقت یہ ثابت ہوگیا کہ ہم نے ترکی کے ساتھ ایک برا کھیل کھیل کر بدنامی مول لی، پورا مشرق یہ بات جانتا ہے، لیکن خود ہم کو تاریکی میں رکھا گیا، روس کے ساتھ ہمارا اتحاد برطانوی امپائر کی تمام مشرقی رعایا کے لیے اشتعال انگیز ہوگیا، اس میں ذرا بھی شک کرنے کی ضرورت نہیں برطانوی حکومت کو بھی اس کا احساس تھا، لیکن اس نے روسیوں کی حکمت عملی کو قبول کرلیا، اور اسی پر عمل کرنا شروع کردیا، حکمت عملی ٹرکش امپائر کو ختم کرنے کے لیے بنائی گئی، اسی طرح کی اور مجنونانہ اور غیر ذمہ دارانہ تجویزیں روس کے ماہرین نے مرتب کرکے ہمارے سیاستدانوں کے حوالے کیں، جن کا مقصد مسلمانوں کی قوت پر ضرب لگانا تھا، جنگ کے زمانے میں جتنا پروپیگنڈا ہوا، اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ زار کا روس قائم رہے،

بقیہ اور دوں کا جو حشر ہو، لیکن روس کے زار کا خاتمہ ہوا، تو ہر طرف اطمینان
کی سانس لی گئی، ۵ر جنوری ۱۹۱۸ء کو لائڈ جارج نے جو تقریر کی تو ایسا معلوم
ہوا کہ اب برطانوی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے، ۱۹۱۹ء کے
آغاز تک لوگ مطمئن رہے، لیکن لائڈ جارج جب پیرس گئے تو معلوم ہوا
کہ وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہونا چاہتے ہیں، سمرنا میں فوج اتار دی گئی،
قتل اور غارتگری شروع ہوئی، جس سے ایک سنسنی پھیل گئی، اس وقت
سے ہندوستان کے لوگ برطانوی امپائر کی مشرقی رعایا کی حیثیت سے چیخ پکار
کر رہے ہیں کہ مشرق کے مسئلہ پر اُن کی آواز سنی جائے۔ اور ان کو سب کچھ کہنے
کا حق اور دوسرے جزیروں کے رہنے والوں کے مقابلے میں زیادہ ہے، انکی
نمائندگی برٹش امپائر کے نمائندے ہی کر سکتے ہیں، کسی اور کو حق نہیں (تالیاں)
اور وہ کیا چاہتے ہیں، صرف یہی تو کہ انگلستان اپنے وعدوں کو پورا کرے، اور
اجنبیوں پر ان کے جذبات کو ترجیح زیادہ دی جائے۔ اگر اجنبیوں کا زیادہ
خیال رکھا گیا تو ہندوستان کے لوگوں کے لیے برطانوی امپائر کی رکنیت
بے معنی ہو جائے گی، ان کی نظر میں برطانوی امپائر کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی،
ترکی کے علاقے تھریس، قسطنطنیہ اور اناطولیہ پر ترکوں کا اقتدار اعلیٰ
رہنا چاہیے، کیونکہ انگلستان نے ہندوستان کے لوگوں سے ایسا ہی وعدہ
کیا تھا، ان کا ایک اور مطالبہ ہے، جس کی اہمیت لوگوں کو کم سمجھائی
گئی ہے، لیکن اس سلسلہ میں بھی انگلستان کا وعدہ تھا، اور وہ یہ کہ خلافت
کے مسئلہ میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے گی، اور خلافت کا سوال مسلمانوں

کے مقدس مقامات سے علیحدہ نہ کیا جائے گا، جن میں فلسطین اور مسوپوٹومیا
کا ایک حصہ بھی شامل ہے، یہ مقامات خلیفہ کی نگرانی میں ہوں، اگر ان میں سے
کوئی حصہ بھی علیحدہ کیا گیا، تو اس کی بازیافت کے لیے مسلمان لڑیں گے، اگر
خلیفہ کی نگرانی ان علاقوں پر ہوئی تو اس کے یہ معنے نہیں کہ وہاں سے لوگوں
کو مکمل خودمختاری اور اپنی حکومت آپ کرنے کا اختیار نہ ہوگا، وہ پورے وقار
اور طاقت کے ساتھ اپنی حکومت وہاں کرتے رہیں گے۔ ممکن ہے کہ اس مطالبہ
کو مہمل اور بیکار قرار دیا جائے، کیا ہم نے فلسطین اور مسوپوٹومیا کو ہندوستانیوں
اور مصر کے بغیر فتح کر لیا ہے؟ کیا ہم فلسطین اور مسوپوٹومیا کو ہندوستان
اور مصر کے بغیر اپنے زیر نگیں رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ اگر آپ عیسائی
ہیں تو آپ کہیں گے کہ فلسطین آپ کا مقدس مقام ہے، اگر آپ واقعی اس کو
مقدس سمجھتے ہیں تو اس کو مسلمانوں کے پاس رہنے دیں، لیکن آپ بیت المقدس میں
کارخانے، سینما، ہوٹل اور قہوہ خانے چاہتے ہیں، تو پھر اس کو خلیفہ سے ضرور
علیحدہ کر لیں، ہندوستان سے خلافت کا وفد اس لیے آیا ہے کہ آپ کو آگاہ
کر دے کہ برطانوی امپائر اب خطرہ میں ہے، اس کے اراکین جو کچھ کہیں گے
ان کے متعلق آپ اپنی جو بھی رائے قائم کریں، مگر ہم کو ان کی ہمت کی داد
دینی چاہیے، کہ وہ سادہ طریقہ پر یہاں آئے، اور مخلصانہ طور پر ایک خطرہ
سے آگاہ کر گئے، ان کے لیے بھی یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ کسی لمحہ بھی
ہندوستان واپس جانے سے روک دیے جائیں اور غصہ سے بھری ہوئی
برطانوی حکومت کے یرغمال بنے رہیں (تالیاں)

مارماڈیوک پکھتال کی اس تقریر کے بعد مولانا محمد علی مجمع کو مخاطب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، انھوں نے باتیں تو وہی کہیں جو رائٹ آنریبل فشر اور لائڈ جارج کے سامنے کہہ چکے تھے، مگر کہنے کا انداز بدلا ہوا تھا، پہلے انھوں نے برطانوی حکومت کو مخاطب کیا تھا، اب اُن کا تخاطب برطانیہ کے باشندوں سے تھا، ان کو قائل کرکے ان سے ہمدردی حاصل کرنا آسان کام نہ تھا، وہ اپنے ملک کے اندر تو انتہا درجے کے جمہوریت پسند ہوتے ہیں، ایسے کہ ان سے پارلیمانی جمہوریت کا سبق ساری دنیا حاصل کرتی رہی ہے، لیکن وہ اپنے ملک سے باہر نکل کر انتہا درجے کے سامراجیت پسند ہو جاتے ہیں، مولانا محمد علی نے جس زمانہ میں ان کو مخاطب کیا تھا، اس وقت یہ برطانوی باشندے ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصے کو اپنے زیرنگیں رکھکر وہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنائے ہوئے تھے، اس غلامی کے امپائر پر ان کو فخر تھا، اس پندار کے ساتھ جمہوریت کے بھی حامی اور دوست بنے ہوئے تھے، مولانا محمد علی انگریزوں کے اس مزاج سے واقف تھے، اس لیے ان کی مزاجداری کرتے ہوئے اپنی خطابت کا جوہر دکھایا جسکا لطف تو ان کی اصل انگریزی تقریر ہی کو پڑھ کر اٹھایا جاسکتا ہے، کہ کس طرح اس زبان کی نوک پلک پر قدرت رکھتے ہوئے اپنے سامعین کے جذبات کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کی، اردو ترجمہ میں وہ لطف حاصل نہ ہو سکے گا، لیکن اس کے مطالعہ سے مولانا کے سینہ کی انگیٹھی میں جو آگ سلگ رہی تھی وہ تو ہمارے ناظرین کے سامنے ضرور روشن ہوتی نظر آئیگی، اور بہت سے سیاسی معلومات بھی حاصل ہو جائیں گے، جو اس وقت تک فراموش ہو چکے ہیں، ان تقریروں کو یہاں پر پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ محفوظ ہو جائیں، ورنہ کہیں طاق نسیاں کے نقش ونگار نہ بن جائیں۔

(باقی)

کیا اسلامی قانون رومی قانون کا مرہونِ منت ہے

(پروفیسر فٹز جیرالڈ)

ترجمہ پروفیسر محمد حمید اللہ، پارس

یہ مضمون اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ اس میں خود ایک یورپین فاضل نے اس مشہور اعتراض کا کہ "اسلامی قانون رومن لا سے ماخوذ ہے" بڑا محققانہ اور مدلل جواب دیا ہے، جیسا کہ فاضل مترجم نے لکھا ہے کہ "اصل مضمون کی عبارت اتنی پیچیدہ ہے کہ ترجمہ میں بھی اس کا اثر ہے، راقم نے اس میں سلاست پیدا کرنے کی کوشش کی ہے پھر بھی اس کی ژولیدگی پوری طرح دور نہ ہو سکی"۔

'م'

رسالہ معارف جنوری ۱۹۵۳ء اور مارچ و اپریل ۱۹۵۸ء میں اطالوی پروفیسر نالینو (Nallino) اور فرانسیسی مستشرق بوسکے (Bousquet) کے خیالات کا ترجمہ مندرجہ عنوان کے موضوع پر پیش کیا جا چکا ہے، کلیۃ الشریعۃ مکہ معظمہ کے فاضل استاد ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے میری توجہ ایک اور مضمون کی طرف منعطف کرائی ہے، ان کے دلی شکریہ کے ساتھ آج اسکا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، اس کے مؤلف فیٹز جیرالڈ (S.V. Fitzgerald) لندن یونیورسٹی کے مدرسۃ السنۃ شرقیہ میں استاد تھے، جن کا یہودی الاصل رہا ہونا بیان کیا جاتا ہے، لندن کے "سہ ماہی رسالۂ قانون" (Law Quarterly Review) جنوری ۱۹۵۱ء کے شمارے ص ۸۱ تا ۱۰۲ پر

اس کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس کے انگریزی عنوان The alleged debt of Islamic to the Roman law کا لفظی ترجمہ ہوگا: "اسلامی قانون کی مزعومہ مدیونیت رومی قانون سے" میں ایک تتمے کا بھی وعدہ ہے، جو بظاہر شائع نہیں ہوا، مؤلف کا اسلوب بہت ژولیدہ ہے، جس کا اثر ترجمہ میں بھی ہے، اس مقالے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلامی قوانین پر رومی تاثیر کے مدعیوں کا جواب دیا گیا ہے، اور جہاں حاشیے میں مترجم نے اپنی رائے ظاہر کی ہے، اس میں لفظ "مترجم" لکھ دیا ہے، یا قوسین میں کر دیا ہے،

رسالے کے اڈیٹر سے ترجمے کی اجازت مانگی تھی، اس کے جواب میں خاموشی رہی، جسے عدم ممانعت سمجھتا ہوں، ترجمہ کئی سال سے تیار تھا، اب رمضان ۱۳۹۲ھ میں صاف کرنے کی نوبت آئی،

مقدمہ (۱) سر ولیم میکناٹن[1] (Sir William MacNaghten) بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ خود سر ولیم جونز[2] (Sir William Jones) کے زمانے سے لیکر آج تک رومی اور اسلامی قانون کے مابین جو پہلو بچانے والی مشابہت نظر آتی ہے، اس پر وقتاً فوقتاً توجہ منعطف ہوتی رہی ہے، خاص کر کوئی انگریز وکیل، جسے طلبہ کو اسلامی قانون کا درس دینے کی ضرورت ہو، اس کا احساس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلامی قانون کی توضیح و تمثیل انگلستان کے قانونی تصورات کے مقابلے میں کتنی زیادہ صفائی کے ساتھ

[1] اس کی کتاب Principles and Precedents of Mohammedan Law (یعنی اصول و نظائر قانون محمدی) کلکتہ ۱۸۱۷ء میں، (مولف) [2] اسکی کتاب Essay on Bailments (یعنی رہن پر مقالہ) مطبوعہ ۱۷۸۱ء میں۔ (مؤلف)

رومی قانون کی مدد سے انجام دی جاسکتی ہے، لیکن ابتک کسی نے اس مسئلے کا جامع مطالعہ نہیں کیا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے لیے کسی ایک تنہا اہل علم کی تحقیقات کافی نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس کے لیے نہ صرف قانون اور تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنا ہوگا، بلکہ بہت سی کثیر زبانوں کے جاننے کی بھی ضرورت ہوگی،[1] دیگر شعبہائے علم کی طرح یہاں بھی ایک اکیلا محقق صرف یہ کرسکتا ہے کہ عمارت کی تعمیر میں اپنی اینٹ بھی لگا دے، یا ضرورت پر اپنی کدال کی مدد سے سابقہ تعمیرات کے مناسب حصے کو منہدم کر دے، پھر بھی زیر بحث موضوع کا معمہ برقرار رہتا ہے، فون کریمر[2] اور سانتیلانا[3] نے چند عمیق ملاحظات ضرور پیش کیے ہیں، لیکن تحقیقات میں کوئی منظم پیش روی نہیں کی ہے، قابل ترین اہل قلم میں سے بعض کا طریق عمل بھی یہ رہا ہے کہ مشابہت والے احکام کی ایک فہرست مرتب کر ڈالیں، جن میں بعض وقت واقعی مشابہت ہوتی بھی ہے، تو علی العموم سطحی، بلکہ اکثر تو خیالی اور فرضی، پھر یہ دعوی کریں کہ یہ مشابہتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ متاخر زمانے کا نظام قانون اپنے سے قدیم تر نظام قانون کا مدیون (اور مرہون منت) ہے، زیر نظر مسئلے سے بحث کے اس غیر علمی طریقے میں اگر مدد لی بھی جاتی ہے، تو غیر تاریخی، اور غیر ثابت شدہ اوصاف [یا امور] کو ثابت شدہ قرار دیتے اور اپنے مفروضات سے

[1] نہ معلوم یہ اشارہ کس چیز کی طرف ہے، اسلامی قانون کے لیے عربی، اور رومی قانون کے لیے لاطینی اور ایک حد تک یونانی کا جاننا کافی ہے" (مترجم) [2] فون کریمر کی جرمن کتاب "زمانۂ خلفا میں مشرق کی ثقافتی تاریخ" Von Kremer, Culturgeschichte des Orients unter den Chalifen مطبوعہ ویانا (آسٹریا) ۱۸۷۵ تا ۱۸۷۷ء، انگریزی ترجمہ از خدا بخش، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۰ء۔ (مؤلف) [3] سانتلانا کی فرانسیسی کتاب "تونسی اسلامی قانون کے مجموعے کا مسودہ"، مطبوعہ ۱۸۹۷ء Santillana Avant-Props d'un projet de code de droit musuman tunisien کا مقدمہ نیز بارہا اس کے دیگر نشریات میں۔ مولف

اور اس کے نتیجے میں جو بیان ہمارے سامنے پیش کیے جاتے ہیں وہ کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ "قانونِ محمدی اصل میں جسٹی نین (Justinian) کا رومی قانون ہی ہے، عرب لباس میں ہے"، یا جیسا کہ ایک اجڈ اہلِ قلم نے لکھ مارا ہے کہ "عربوں نے رومی قانون میں چند اغلاط کے سوا اور کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کیا"۔ اس لیے بحث کو قابلِ اطمینان راستے پر چلانے کے لیے اولین ضرورت یہ ہے کہ پہلے زمین ہموار کی جائے تاکہ نئی بنیادیں رکھی جاسکیں۔

(۲) جو رائے عام طور پر مقبول ہے اس کے اصل ذمہ دار تین شخص ہیں: پروفیسر شلڈن آموس (G. Shelden Amos)، سوّاس پاشا (Savvas Pasha) اور مشہور ماہرِ عربیات گولٹ سیہر[1] (Golziher)، ان میں سے شلڈن آموس (۱۸۳۵ء تا ۱۸۸۶ء) دیکھو انگریزی قومی سوانح عمریوں کی قاموس Dictionary of National Biographies) کا ضمیمہ، جلد اول صفحہ ۴۴) غالباً اپنے زمانے کا سب سے ممتاز انگریز سولیئین (رومی قانون مدنی کا ماہر) تھا، اور اصولِ قانون پر اپنی ایک تالیف کی بنا پر اسے سوائنے[2] انعام (Swiney) بھی ملا تھا،

۱۔ اس کے نام کا صحیح تلفظ گولٹ سیہر ہے، گولڈ زیہر غلط ہے" (مترجم) ۲۔ سوا سو سال عرصہ ہوا سوائنے ایک مالدار مجنون گزرا ہے (جو غالباً یہودی تھا) بیماری اور جوش جنون کی حالت میں اس نے ایک وصیت نامہ لکھ کر انگلستان کی انجمن فنون لطیفہ کے دفتر کے دروازے پر چپکے سے ڈال دیا، خط کھولا گیا تو ایک وصیت ملی، کہ اس کی ساری جائداد قانون کی عمدہ تالیفوں پر انعامات دینے میں صرف کی جائے، چونکہ سوائنے کا انتقال ہو چکا تھا، اس لیے انجمن فنون لطیفہ نے جائداد تو حاصل کر لی لیکن انعام کا فیصلہ ملک کے مشہور اہلِ قانون کی مدد سے کرایا جاتا ہے، اس لیے اسے قانونی کتابوں کا "نوبل پرائز" قرار دیا جاسکتا ہے، (مترجم)

قسمت کی ستم ظریفی ہے کہ جس موضوع میں وہ سند مانا جاتا تھا، عرصہ ہوا علم کی موج اسے پیچھے چھوڑ کر اس کے پاس سے گزر چکی ہے، اور اب وہ یاد کیا جاتا ہے تو اس بدبختانہ دخل ہی کی بنا پر جو اس نے ایک ایسے موضوع میں کیا تھا، جس سے اسے بالکل ہی واقفیت نہ تھی، اس کی یہ خیال آرائی اس کی انگریزی کتاب "رومی قانونِ مدنی" Roman Civil laws (جلد دوم صفحہ ۴۰۶ تا ۴۱۴) میں ملے گی، اس میں جو بہت سی فرضی چیزیں ہیں، اس کا اندازہ صرف ایک مثال سے ہو جائے گا، قانون روما میں ایک لاطینی قاعدہ ہے کہ "جو بات حکمراں کو پسند آئے وہ قانون کی تاثیر رکھتی ہے" (Quod principi plasuit legis habet vigorem) اس کی مماثل چیز کی [اسلامی قانون میں] تلاش نے اسے بھٹکا دیا، اور اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ خلفاء کے احکام ہی اسلامی قانون کا اصل ماخذ ہیں، اگر وہ اس کو اسلامی قانون کی ایک متاخر شاخ تک جسے عام طور پر "عثمانی ترکوں کا قانون" کہا جاتا ہے، محدود رکھتا تو وہ ایک حد تک ــــ اور صرف ایک حد تک ہی ــــ درست ہوتا، مگر ایک ایسے نظام قانون کے متعلق، جو صرف خدا کی ذات کو قانون کا واحد ماخذ سمجھتا ہو، اور اس سے منکر ہو کہ کسی انسانی اقتدار کو بھی قانون سازی کا حق ہے، مذکورۂ بالا ادعا حقیقت حال کے بالکل برعکس ہے، پہلے چار خلفاء [راشدین] کے جو فیصلے مذکور رہے ہیں، ان کی قانونی قدر و قیمت اس لیے نہیں ہے کہ وہ خلیفہ [صدر حکومت] تھے، بلکہ اس بنا پر کہ وہ پیغمبر اسلام کے قریبی ساتھی رہے تھے، اور اس کا امکان تھا کہ وہ حضرت پیغمبرؐ کے ذہن [خیالات] سے واقف ہوں، اور اسی لیے ثانوی حیثیت میں سہی، ربانی ہدایت کی پرچھائیں سمجھے جائیں، دوسرے صحابۂ نبی کے فیصلوں [فتووں] کا درجہ بھی یہی ہے،[1]

۱۔ حاشیہ ص ۴۶ پر

(۳) سَواس پاشا عثمانی [ترکی] سلطنت میں ایک ممتاز عیسائی افسر گزرا ہے،
معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ وہ پاشا کے رتبے پر فائز ہو چکا تھا، اس لیے اسے
اسلامی قانون اور ایشیائے کوچک کی تاریخ کا بھی ماہر رہا ہونا چاہیے، اور یہ مشکل ہی سے
کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان مسائل میں جاہل مطلق تھا، اس لیے جب وہ اپنے ہمعصر زمانے کے
ترکی انتظام مملکت کے متعلق کچھ لکھتا ہے تو اس کے بیانات کو اس سے زیادہ اہمیت
دی جانی چاہیے جتنا کہ اب تک ہوتا رہا ہے لیکن اس شخص کا دماغ غیر عالمانہ اور
غیر صحیح تھا، اور اس نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ایک سیاسی غرض کے مدنظر تھا، جیسا کہ خود اس نے
[فرانسیسی] میں لکھا ہے کہ "مغربی قانون کو مسلمان بنایا جائے" (Islamiser le
droit occidental) اور وہ اسکے لیے اپنے ہموطن مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتا
تھا کہ اسلامی قانون ہمیشہ سے مغربی اثرات کو اتنا ہی قبول کرتا رہا جتنا سواس پاشا
چاہتا تھا، اس لیے اگر کسی قانونی یا تاریخی واقعے کو تھوڑی سی تبدیلی کے بعد اپنے دعوے
کی دلیل بنایا جا سکتا ہو تو وہ اغلباً پوری دیانتداری کے ساتھ یقین کر لیا کرتا تھا کہ
مزعومہ واقعہ ہی حقیقت ہے،

(۴) اگناتس گولڈ سیہر (۱۸۵۰ء تا ۱۹۲۱ء) عربی کے ماہر ترین لوگوں میں
سے ایک تھا، لیکن رومی قانون میں اس کی مہارت اس درجے کی نظر نہیں آتی، بہرحال

(حاشیہ ص ۵۹) خلفائے راشدینؓ اور دیگر فقیہ صحابہ کے متعلق یہ بیان صحیح نہیں، انھوں
نے قرآن وحدیث کی تعبیر و استنباط سے قانونی احکام بیان کیے اور قرآن کے سکوت کی صورت میں (حدیث معاذؓ
میں رسول اکرم کی دی ہوئی اجازت ہی کی بنا پر) قیاس و اجتہاد سے کام لیا ہے، صحابہ میں باہمی علمی اختلاف رائے
بھی رہا ہے، جو مولف کے مفروضے کی تردید کرتا ہے، (مترجم)

اس کے قلم سے اس بارے میں نکلی ہوئی دلیلیں، جن کو بڑی شہرت ہے، ایسی ہیں، جن کو خود اس نے
زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، اور وہ اس مقالے کے اساسی رجحان کے بھی خلاف ہیں،
کیونکہ گولڈ سیہر کے دوسرے بہت سے نشریات کی طرح، اس مقالے کا مقصد بھی اس پر
زور دینا ہے کہ اسلامی تمدن اصولاً ایک عربی چیز ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ [رومی قانون
کے اثرات کے متعلق] اپنے ان خیالات کو خود گولڈ سیہر نے اپنی بعد کی زیادہ پختہ تالیفوں
میں ترک کر دیا ہے، یہاں ان ہی تینوں مؤلفوں کے دلائل پر غور کیا جائے گا،

(۵) جو مؤلف مروجہ غلط خیالات ہی کو عام طور پر باور کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ان میں
حسب ذیل لوگ شامل ہیں: (۱) آیون (Ion) جس نے مچیگن لا ریویو (Michigan
law Review) (ج ۹ ص ۴۴ تا ۵۲، ۱۴۸ تا ۲۱۴، ۳۲۱ تا ۳۹۶) میں انگریزی
میں ایک مقالہ لکھا ہے، (آیون نے اگرچہ بعض نئی چیزیں بھی پیش کی ہیں لیکن اس کے ہاں بھی
یہی رجحان ہے، کہ واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کیا جائے (تاکہ اس کے دعوے کے مطابق ہو سکیں)

(۲) شرمان Sherman کی انگریزی کتاب "رومی قانون جدید دنیا میں
(Roman law in The modern world) (طبع سوم، ص ۱۳۹ نیز ۹، ۱۱۱۱)
ان کے ساتھ محمد اللہ M. Ullah کی انگریزی کتاب "مسلمان قانون نکاح پر مقالہ"
(Dissertation on the Muslim law of Marriage
(مقدمہ ص ۴۶ و مابعد)، سکسینہ Sksena کی انگریزی تالیف "اسلامی قانون" (
Muslim law ۱۹۳۷ء ص ۱۰۵ تا ۱۰۸)، میکڈانلڈ Macdonald
(دیکھو اس کی انگریزی کتاب[1] "اسلامی الہیات، اصول قانون اور نظریہ دستوری

[1] اس کتاب کے آخری دو باب کا اردو ترجمہ اس ناچیز نے کیا تھا، جو حیدرآباد دکن کے ماہنامہ "ترقی" میں "اسلامی اصول قانون
اور نظریۂ دستوری کا ارتقا" کے عنوان سے بر اقساط دسمبر ۱۹۴۵ء سے جولائی ۱۹۴۶ء تک چھپتا رہا (مترجم)

کا ارتقاء Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory (ص ۸۵ اور طیب جی (دیکھو انکی انگریزی کتاب "قانون محمدی" Tyabji, Muhammedan law طبع سوم ص ۸۲، جن کو عالمگیر قدر و شہرت حاصل ہے، اس کے متعدی اثر سے پوری طرح بچ نہ سکے۔

۲۔ تاریخ (۲) جسٹی نین کے مجموعۂ قوانین (Corpus juris of Justinian) کے نفاذ (۵۲۹ء تا ۵۴۳ء) اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم کی وفات (۶۳۲ء) کے ابین جو صدی گزری ہے وہ انسانی تاریخ کا سب سے بدقسمت زمانہ ہے، ہم لوگ [دو عالمگیر جنگوں کے زمانے میں] دو مرتبہ تباہی کے دہانے تک پہنچ چکے تھے، اور اب [۱۹۵۱ء میں] ایک عظیم تر تباہی کے کنارے جی رہے ہیں، اس لیے ہم لوگ مذکورہ بالا صدی کی بدبختیوں کو اپنے آبا و اجداد کے مقابلے میں ــــ جن کے شاندار زمانے میں تسلڈن آموس، سنواس پاشا، اور گولٹ سیہر نے اپنی کتابیں تالیف کی ہیں ــــ زیادہ بہتر سمجھ سکتے" ہیں، یہ سچ ہے کہ مذکورہ صدی دو ایسی حکمرانیوں سے شروع ہوئی تھی، جن کی شان و شوکت افسانوی اور ضرب المثل بن چکی ہے، یعنی مشرقی رومی [بیزنطینی] سلطنت میں جسٹی نین، اور ایران میں انوشیروان عادل کی فرمانروائی، جسٹی نین کے نام سے ہمیں نہ صرف اس کا مجموعۂ قوانین یاد آتا ہے، بلکہ آیا صوفیا[۱] کی تعمیر، بلیزاریوس[۲] (Belisarius) کی فتوحات، نرسی[۳] (Narses) اور خواجہ سرا

---

[۱] آیا صوفیا شروع میں ایک بتکدہ تھا، جسٹی نین نے اس کو توڑ کر وہاں ایک عیسائی گرجا بنایا جس کی عمارت اب تک استانبول میں باقی ہے، سلطان محمد فاتح نے اسے خدائے واحد کی عبادت کے لیے مختص کیا تھا، کمالی دور میں اس مسجد میں نماز بند کر کے سیاحوں کے دیکھنے کی تفریح گاہ قرار دیا گیا (مترجم) [۲] جسٹی نین کی فوج کا ایک جرنیل جس نے اٹلی وغیرہ کو فتح کیا تھا (مترجم) [۳] جسٹی نین کا خواجہ سرا اور اس کی فوج کا ایک جرنیل جس نے ایران سے جنگ میں نمایاں حصہ لیا تھا (مترجم)

یوحنا[۱] (John The Eunuch) بھی، لیکن ان کا ایک تاریک پہلو بھی رہا ہے، اور [اسی وقت سے] آنے والی تباہی کے آثار نظر آنے لگے تھے، مغرب (یعنی اٹلی) کی فتوحات نے نہ صرف ایک عارضی پردے کا کام دیا تھا کہ ٹیوٹانی (Teuton) [جرمن قبائل] اس حد تک بیزنطینی سلطنت کی آقائی کو تسلیم کر لیں، ورنہ حقیقت میں وہ ان سرسبز علاقوں کے مالک بن گئے تھے، جن میں انھوں نے قبضہ کیا تھا، اس سے شہنشاہ کے خزانے کی مشکلوں میں اضافہ ہو گیا تھا، اور مشرقی [بیزنطینی] صوبوں کو کچل دینے والے محاصل [ٹیکس] کا بوجھ برداشت کرنا پڑا، جسٹی نین کے جدید احکام (Novellae) کا ایک طویل سلسلہ اس بات کا شاہد ہے کہ قرضوں کی کثرت بھی ایک ایسا مسئلہ بن گیا تھا، جس پر فوری توجہ کی ضرورت تھی، "گول میدان (Circus) [کھیل کی جگہ] میں جو طبقہ وار احمقانہ لڑائیاں ہوتی تھیں وہ بھی اس بات کی علامت تھیں، کہ جسد مملکت کی کوئی چیز بھی ٹھیک حالت میں نہ رہ گئی تھی، (اگرچہ اس کی تعبیر آسان نہیں) یہ لڑائیاں قسطنطنیہ کے گندہ محلوں کے باشندوں کی حد تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ بیزنطینی سلطنت کے ہر شہر میں پائی جاتی تھیں، حتیٰ کہ یروشلم [بیت المقدس] جیسے مقدس شہر میں بھی، اور مذہبی فرقہ واریت سے معیار اخلاق اتنا پست ہو چکا تھا کہ الٰہیاتی مباحث کے سلسلے میں مخالف پارٹی کے خلاف یہ خونریز ہنگامے کرائے جاتے تھے، خود شہنشاہ جسٹی نین بھی تنگ نظری کی طرف مائل تھا، اور آرتھوڈکس فرقے کا [بیزنطینی] کلیسا دوسرے (بدعقیدہ) عیسائی فرقوں اور غیر عیسائی مذہبوں کے متعلق جو رجحان رکھتا تھا وہ عام طور پر

---

[۱] غالباً یہ بھی جسٹی نین کا کوئی کارندہ تھا، اس نام کا ایک راہب بھی گزرا ہے، جس کو نہ قسطنطنیہ سے تعلق ہے اور نہ جسٹی نین سے (مترجم)

عدم رواداری کا تھا، اگرچہ اس نے وہ ظالمانہ ایذا رسانی نہیں کی جو کبھی کبھی ایران میں نظر آتی ہے۔[1] تاریخی بیانات کے مطابق اثینہ (ایتھنس) کے مدارس فلسفہ کے باقیات صالحات کا معیار کتنا ہی پست کیوں نہ ہو گیا ہو مگر یہ واقعہ کہ جسٹی نین نے ان کی اصلاح کی کوشش کرنے کے بجائے ان کو سرے سے بند کرا دیا، ہماری ناچیز رائے میں اس حکمران کے دور کے ثقافتی معیار کی بلندی نہیں ظاہر کرتا۔ ان [مدارس کو] خسرو [کسریٰ] کے تحت ایک نئی زندگی ملی، اور ایران میں پناہ گزیں [یونانی فلسفیوں] سے مسلمانوں نے افلاطون اور ارسطو کا نام سنا تھا۔[2]

---

[1] ایران میں عام طور پر مذہبی رواداری برتی جاتی تھی، مذہبی ایذا رسانی ایک بیماری تھی جو صرف کبھی کبھی وہاں پھوٹ پڑتی تھی، مگر ایسے موقع پر وہ شدید ہوا کرتی تھی۔ (مؤلف) ۔۔۔ یہ اس امر کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے کہ جب قباذ کے زمانے میں مانی کے مذہب نے اباحیت پھیلائی اور زردشتیت سرکاری مذہب نہ رہا تو جانشین انوشرواں نے بزور تیغ اباحیت کا قلع قمع کیا، اور دوبارہ زردشتی مجوسیت پھیلائی لیکن مولف مقالہ کے یہودی النسل ہونے کی بنا پر گمان غالب یہ ہے کہ یہ بائبل کی کتاب ایستر کی طرف اشارہ ہو جس میں یہ واقعہ (جو درحقیقت ایک تعلیمی و تلقینی افسانہ ہے) بیان ہوا ہے کہ ایک ایرانی بادشاہ نے اپنے وزیر کے مشورے سے ملک کے سارے یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، شاہی محل میں ایک یہودن بیوی تھی، اس نے بادشاہ کو مدہوش کر کے یہ حکم نکلوایا کہ یہودیوں کو نہ چھیڑا جائے، اور وزیر اور دوسرے بہت سے ایرانی امرا کو جو یہودیوں کے مخالف سمجھے جاتے تھے، پھانسی پر چڑھایا جائے، اور اس حکم کی فوراً تعمیل بھی کرائی۔" (مترجم)

[2] غالباً جندیسابور کی طرف اشارہ ہے، لیکن یونانی فلسفہ زیادہ تر شامی سریانیوں کی مدد سے عربی میں منتقل ہوا، مامون نے راست یونانی کتابیں منگائیں، اور بغداد کے بیت الحکمہ میں ان کے ترجمے ہوئے، پھر ترجموں کی نظر ثانیاں بھی ہوتی رہیں۔ (مترجم)

(۷) جسٹی نین کی ضعیفی اور وفات پر اس کی چمک دمک کم ہو گئی اور اس دور کے تاریک تر پہلو زیادہ نمایاں ہو گئے، ایران کی تاریخ کو بھی انوشرواں کی وفات کے بعد ایسی ہی افسوسناک صورتِ حال پیش آئی، ان دونوں سلطنتوں نے اپنے کو مجبور پایا کہ بیرونی وحشی حملہ آوروں کے خلاف مدافعت کے لیے مسلسل خرچیلے اور چور چور کر دینے والے انتظامات کریں، (رومی سلطنت کے حدود پر صقلبی Slavs، آوار (Avars) خزر (Khazars) اور برجان (Bulgars) یعنی روس میں دریائے والگا پر بسنے والے قبائل کے، اور ایرانی سرحد پر منگولیوں کے حملے مراد ہیں) اسی طرح یہ دونوں سلطنتیں اندرونی ظلم و ستم اور بار بار کی خانہ جنگیوں کے باعث پارہ پارہ ہو گئی تھیں، ان سب کے باوجود ان دونوں کا باہمی حسد ختم نہ ہوا، اور ان کی کشمکش کی آگ صدیوں تک سلگتی اور جلا کر راکھ کرتی رہی، لیکن زیر بحث (اسلام کے عین پہلے کا زمانہ معمول سے زیادہ خون آشام رہا۔ کیونکہ اس [صدی] میں بمشکل بیس[20] سال برائے نام صلح رہی: ۵۳۱ء کی نام نہاد "ابدی دوستی اور حلیفی" صرف سات برس قائم رہی، اور ۵۶۱ء کی زیادہ متواضع نام والی "پچاس سالہ صلح" بھی مختصر عرصہ تک باقی رہ سکی، یہ جنگیں بھی محض فوجی جھڑپیں نہ تھیں، بلکہ ہمہ گیر لڑائیاں تھیں، ایرانیوں نے دوسرے شہروں کے ساتھ انطاکیہ کو ۵۴۰ء اور ۶۱۱ء میں، قیساریہ کو ۶۱۲ء میں، دمشق کو ۶۱۴ء میں، یروشلم کو ۶۱۴ء میں اور اسکندریہ کو ۶۱۵ء میں جلا کر خاک کر دیا، دیہاتی رقبے بھی اسی طرح تاراج کیے گئے، پھر جب رومی (بیزنطینیوں) کو موقع ملا تو انھوں نے بھی اسی طرح کا برتاؤ کیا، اس میں شک نہیں کہ تباہ کاری کے وسائل اس زمانے میں اس سے کم تھے، جتنے آج ہیں، لیکن تعمیر جدید کے وسائل بھی ویسے

ہی [کم] تھے، ایک جلائے ہوئے شہر کو سنبھلنے میں بیسیوں برس لگتے تھے، انسانوں کی وحشت اور درندگی کے ہاتھوں جو بلائیں آتیں ان پر مستزاد وہ مصیبتیں تھیں جن کو قانون انگلستان میں بیحیائی اور تمدن کے عجیب امتزاج کے ساتھ "افعال خدا" کا نام دیا گیا ہے، یعنی طاعون، امراض متعدی، قحط (جو جنگ کے ناگزیر لوازم ہیں) نیز آتش زدگی اور سخت زلزلے۔

(۸) اگرچہ دونوں سلطنتوں کی حالت خراب تھی لیکن ان میں رومی (بیزنطینی) سلطنت کی حالت خراب تر تھی، جس مختصر عرصہ کے لیے ان میں صلح بھی رہی، ان میں بھی رومی سلطنت ایران کو خراج ادا کرتی رہی، اور یہ ہرقل کی فوجی عبقریت اور مہارت تھی جس نے ان عظیم مشکلات کے باوجود ایشیاے کوچک اور شام و مصر کو ایرانی قلمرو میں ضم ہوجانے سے روکے رکھا تھا۔

(۹) ان حالات میں جب مٹھی بھر دینی جنون والے عرب، ٹھنڈے دل سے کام کرنے والے ماہر حربیوں کے ماتحت دنیا کو فتح کرنے کے لیے نکلے تو انھیں رومی اور ایرانی سطوت سے نہیں بلکہ دو ایسی شہنشاہیوں سے سابقہ پڑا جو شکست خوردہ اور تھکی ہوئی تھیں، اور جان لیوا زخم سے مجروح تھیں[1]، رومی مالگذاری کا نظم ونسق تو جاری و برقرار رہا، لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ

[1] یہ ضرورت سے زیادہ مبالغہ ہے، اگر تھوڑی دیر کے لیے نینوہ کی شکست کے بعد ایران کو مہلک زخم سے مجروح بھی فرض کرلیا جائے تو رومی فاتحوں کے متعلق تو ایسا خیال نہیں کیا جاسکتا، ایران سے لڑنے کیلئے ہرقل نے جو فوج بھرتی کی تھی اس میں کئی لاکھ تربیت یافتہ سپاہی تھے (جن میں سے ایک لاکھ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ۸ھ میں موتہ بھیجے گئے تھے)، کیا ۱۹۳۹ء میں مٹھی بھر حبشی شکست خوردہ جرمنی نہیں بلکہ فاتح روس و امریکہ پر حملہ کرکے ان کو فتح کرسکتے تھے؟ مسلمانوں نے ایران و روم (بیزنطہ) دونوں سے بیک وقت مقابلہ کرکے دونوں پر قبضہ کیا تھا۔ (مترجم)

وہ کس حد تک ٹھیک طور پر چل رہا تھا، مٹھی بھر مالدار لوگ عیش و نشاط میں مشغول تھے لیکن شلڈن آموس کا یہ کہنا کہ عربوں نے شام کے شہروں کی "متمول اور منظم زندگی" پر قبضہ کیا تھا، ایک مبالغہ ہے، عربوں (مسلمانوں) کی برق آسا فتوحات کی ایک جزئی توجیہ شاید یہ ہے کہ [رومی سلطنت میں] عوام الناس کی نظروں میں ملک ایسی چیز نہ تھا جس کی خاطر جنگ کیجائے[1]۔

(۱۰) اس میں شک نہیں کہ تمدن کی عام تباہی کے وقت بھی لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک قسم کی قانونی تنظیم برقرار رکھیں، اور خواہ جان بوجھ کر ہو یا بے جانے بوجھے، وہ اسی عملدرآمد پر چپٹے رہتے ہیں، جس کے وہ اب تک عادی رہے ہیں، اس لیے اگر فون کریمر یہ کہتا ہے کہ: "رومی بیزنطینی قواعد، رواجی قانون کی شکل میں برقرار رہے"، یا جب سانتلانا [فرانسیسی میں] یہ بیان کرتا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ اس قسم کے قواعد: "مشرق میں تمدن کے جو دیگر عناصر تیر رہے تھے ـــ (اس "تیرنے" کے کنایے کو نظرانداز نہ کرنا چاہیے) ـــ انھیں کی طرح وہ بھی برقرار رہے" ہوں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اصولاً غیر اغلب ہو، سیلاب کی موجیں جن چیزوں کو بہالے جارہی ہوں ان کو لے کر ان سے ایک نیا نظام قانونی تعمیر کرنا اس سے بالکل الگ بات ہے، کہ جسٹی نین کے پیچیدہ اور نازک و لطیف اصول قانون کو من وعن لے لیا گیا ہو۔

(۱۱) اس بات کو عام طور پر سب ہی مانتے ہیں کہ جسٹی نین کا مجموعۂ قوانین (Corpus Juris Civilis) کبھی بھی مغربی (یعنی اطالوی) رومی سلطنت میں رواج نہ پاسکا، وہاں جو رومی

[1] ایک مزید وجہ یہ ہے کہ شام اور مصر کی رومی فوج میں عرب سپاہی بکثرت تھے، اور یہ حملہ آور (مسلمانوں) کے ہم نسل تھے" (مؤلف) ـــ غسان کے سردار نے رسول اکرمؐ کے سفیر تک کو قتل کرنے میں باک نہیں کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عیسائی شدہ عربوں کو یونانیوں سے کہیں زیادہ اسلام سے نفرت تھی۔ (مترجم)

قانون پھر زیر عمل تھا، وہ تھیوڈوسیوس [دوم] کا مدونہ (Theodosian Code)
تھا، لیکن اس میں ان وحشی [جرمنوں] کے رسم و رواج کی بھی تھوپا تھاپی کی گئی تھی، جو جسٹی نین
کی فتوحات کے باوجود فرمانروا طبقہ بنے رہے، اور اہلِ روما کے ساتھ ایک ماتحت قوم کا سلوک
کرتے رہے، حتیٰ کہ ملک میں بعض جگہ Romanus (یعنی رومی) کے معنے بالآخر "غیر آزاد شخص"
کے ہو گئے تھے، ان حالات میں مغربی [اطالوی] رومی قانون کے لیے یہ بات مشکل تھی کہ اسلامی
قانون کی تاسیس میں کوئی اثر رکھے، خواہ ہم اس یقینی بات کو تھوڑی دیر کے لیے نظرانداز ہی کیوں
نہ کر دیں کہ اس [اسلامی] قانون کے بنیادی اصول، مدینہ منورہ کے مشہور امام مالکؒ کے متبعین
کے ہمراہ آٹھویں صدی عیسوی [دوسری صدی ہجری] کے نصف دوم میں [اندلس و] مغرب اقصیٰ
میں پہنچنے سے پہلے ہی، مدینہ منورہ میں مدون ہو چکے تھے، مشرقی (بیزنطینی) رومی سلطنت کی حالت اس
سے مختلف تھی، وہاں جسٹی نین کے وضع کردہ قانون ہی پر بیزنطینی عدالتی افسر عمل کرتے تھے، اور
بیزنطہ (قسطنطنیہ) میں تعلیم پائے ہوئے وکیل (Lawyers) بھی اسی کے مطابق وکالت کرتے تھے،
[مصری یا پیپرس یعنی] بَردی کاغذوں پر لکھی ہوئی جو دستاویزیں ملی ہیں ان کی شہادت سے بظاہر یہ معلوم
ہوتا ہے کہ کم از کم [بیزنطینی صوبہ] مصر میں رسم و رواجی قواعد کا قابل لحاظ حصہ برقرار تھا جو رومی
قانون کے ساتھ یا تو مسابقت و مقابلہ کرتا تھا، یا اس کے ساتھ ایک تکلیف دہ طفیلی زندگی گزار رہا تھا،
یہ جو کہا گیا کہ جسٹی نین نے "دوغلے نظریوں" کو برخاست کرنے کی کوشش کی تھی، اس کے معنی غالباً یہی ہیں
کہ اس کی کوشش یہ تھی کہ رومی نظام قانون کی مصر کے مقامی رواج کے ذریعے سے ترمیم کو رد کیا جائے،
زیر بحث تحقیقات میں اسکی زیادہ اہمیت نہیں ہے، مگر اس سے ضمناً یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مسلمان اہلِ فقہ
کو اپنے نظام قانون کی عمارت کھڑی کرنے میں بروقت جو سامان اور مواد ملا تھا، اس میں صرف
رومی قانون کے اجزا ہی نہ تھے [بلکہ ہر جگہ کے مقامی رواجات بھی تھے]

(۱۲) شام میں ایک نام نہاد "شامی رومی قانون کی کتاب" (Syro-Roman
law book) ملی ہے، یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جسٹی نین کا "مجموعۂ قوانین"
زندہ نہ رہا تھا، یہ دستاویز[1] اصل میں طلبہ کی ایک درسی کتاب ہے، اور اسے ایک طرح کا "رومی
قانون کا خلاصہ" کہا جا سکتا ہے، اس میں صرف قانونِ مدنی (Jus Civile) ہے،
اعزازی قانون[2] (Jus honorarium) نہیں، یہ بیزنطینی شہنشاہ زینون[3] (Zenon)
کے زمانے میں ۴۸۰ء میں اصل میں یونانی میں لکھی گئی تھی، اور شاید لاطینی میں بھی، کیا یہ تصور میں بھی
آ سکتا ہے کہ لارڈ برکنہیڈ[4] (Birkenhead) کے زمانے کی [جدید و کثیر] قانون سازی
ہی سے پہلے نہیں بلکہ حکام عدالت کے قانون (Judicature acts) سے بھی پہلے۔ جس نے
غیر مکتوبہ عام شائع و رائج قانون Common law اور قانون استحسان (Equity)
کو ضم کرنے کا حکم دیا تھا[5]۔ پہلے کے قانون انگلستان کو آجکل کے انگریز قانون پیشہ لوگ کسی تبدیلیوں

---

[1] لگے ہاتھوں یہ کہتے چلیں کہ اس کتاب اور اسلامی قانون میں جو واحد مماثل چیز ملی ہو وہ یہ ہے کہ اسلامی قانون میں کوئی شخص اپنی جائداد کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ کسی کو بطور وصیت نہیں دے سکتا، جو اس [رومی] کتاب میں بھی مذکور ہے، اور ظاہر ہے کہ اصل متن میں کسی نے بعد میں اس کا اضافہ کر دیا ہے"۔ (مولف) یہ کتاب اسلامی عہد کی تالیف ہو، اور اس پر نالینو نے متعدد مقالے اطالوی میں لکھے ہیں (مترجم) [2] اعزازی قانون سے مراد وہ قانون ہوتا ہے جو مجسٹریٹ (حاکم عدالت) کے جاری کردہ اعلان سے بنے۔ (مترجم) [3] زینون کا زمانہ حکمرانی ۴۷۴ء تا ۴۹۱ء۔ (مترجم) [4] وزیر ہند بننے سے پہلے لارڈ برکنہیڈ نے جب پہلی جنگ عظیم کے بعد وزیر عدلیہ تھا تو اس زمانے میں متعدد مسائل پر انگلستانی رواج اور نظائر وغیرہ کی مدد سے پہلی دفعہ قانون وضع کرائے، مثلاً قانون جائداد وغیرہ۔ (مترجم)

[5] پرانے زمانے میں انگلستان میں بیک وقت دو قانون رائج تھے، چنانچہ جب کوئی شخص اپنے مقدمے کے لیے "عام شائع قانون کی عدالت" (Common law court) میں جاتا تو ایک طرح سے فیصلہ ہوتا، اور اگر محکمۂ قانون استحسان (چانسری کورٹ) (Chancery court) کی طرف رجوع کرتا تو اس کے برعکس فیصلہ ہوتا۔ ۱۸۷۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے جب اصلاح عدلیہ کا قانون (Judicature act) منظور کیا تو یہ فرق ختم ہوا اور ساری عدالتیں ایک ہی قانون کے نافذ کرنے کی پابند کی گئیں۔ (مترجم)

کے لیے لکھی ہوئی ایک چھوٹی سی درسی کتاب کی اساس پر نافذ کر سکیں ؟ مگر یہی وہ کارنامہ ہے جسے جسٹی نین کی قانون سازی کے بعد شامی رومی قانون کی کتاب" کو استعمال کرنے والے قانون پیشہ لوگ انجام دینے کی کوشش کر رہے تھے، اور یہی وہ بدنصیب رٹانے کی کتاب تھی جس کا شام اور عرب کی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور جسے شام کے گرجاؤں[1] میں قانون کی درسی کتاب کے طور پر رائج کیا گیا۔ نالینو[2] کے اس ادعا میں صداقت پائی جاتی ہے۔ کہ نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) کے شامی [عیسائیوں] نے جسٹی نین کا بطور قانون ساز کے نام بھی نہ سنا تھا، ایسی حالت میں کیا اس کا امکان ہے کہ ان کے حاکم عربوں نے اسے سنا ہو؟ اسلامی فقہ کی کتاب میں کسی رومی سند [یا ماخذ] کا کوئی ایک بھی حوالہ نہیں پایا جاتا،[3]

(باقی)

---

[1] جیسا کہ مولف آگے خود بھی بیان کریگا، اسلامی حکومت میں اہل ذمہ کامل عدالتی خود مختاری سے متمتع تھے، مثلاً جب کسی مقدمے کے فریقین عیسائی ہوتے تو قانون بھی عیسائی ہوتا، حاکم عدالت بھی اور محکمۂ عدالت بھی عیسائی ہوتے، اور حاکم عدالت عموماً طبقۂ اہل دین یعنی پادریوں اور راہبوں سے چنے جاتے، اسی لیے گرجا والوں کو قانونی کتاب کی ضرورت پیش آئی، کیونکہ انجیل میں قانونی احکام نہیں ہیں، اسلیے ہمعصر بیزنطینی عیسائی سلطنت کے قانون پر عمل کرنا کافی سمجھا گیا، (مترجم) [2] نالینو کی اطالوی کتاب "بیزنطینی قانونی کتابیں (Nallino scritti juridici byzantini) صفحہ ۱۵۸ تا ۱۵۹، نیز اسی کی دوسری اطالوی کتاب (یعنی شامی رومی کتاب کے متعلق جو مقالات بونفانتے (Sul libro siro-romano (in : Studi P. Bonfante) نامی تالیف میں شائع ہوئی] دیکھو جلد اول مطبوعہ پاویا (Pavia) سنہ ۱۹۲۹ء، اس "شامی رومی قانون کی کتاب" کے متعلق نالینو کا نظریہ ہم قبول کرتے ہیں، لیکن اگر منتیئش (Mitteis) کا یا کسی اور کا نظریہ قبول بھی کریں تو ایک طرف تو اس "شامی رومی قانون کی کتاب" کے اور جسٹی نین کے "مجموعۂ قوانین" کے نہایت ترقی یافتہ اصول کے درمیان اور دوسری طرف نہایت لطیف قیاسی استدلال کرنے والے ابتدائی مسلمان فقہا کے ذہن کے درمیان فرق کی جو خلیج پائی جاتی ہے وہ بیحد وسیع ہو جاتی ہے (مولف)

[3] اسلامی قانون کے مقابلے میں کچھ کم سہی، اسلامی فلسفہ بھی خدا پر مرکوز ہے، اسکے باوجود مسلمان مولف کھلے بندوں اسکا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ افلاطون اور ارسطو کے مدیون اور مرہون منت ہیں، (مولف) —— یعنی کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان فلاسفہ اور اطباء کے مقابلے میں مسلمان فقہا کم دیانتدار رہے ہوں، اگر فقہ میں بیرونی مصادر سے واقعی مدد لی گئی ہوتی تو وہ ضرور اسکا اعتراف کرتے۔ (مترجم)

خریطۂ جواہر

از شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲)

فصاحت خاں رازی: بندگی گیشم تمیزِ کعبہ و دیرم کجاست دیدہ ام ہر جا درے انجام سجدے ساختم

میرا مذہب تو بندگی ہے، مجھ میں دیر و حرم کا امتیاز کہاں، جہاں کوئی در نظر آیا وہیں سجدہ کر دیا۔

ع جہاں دیکھا کوئی جلوہ وہیں رکھ دی جبیں میں نے

رضی گیلانی: بخت گر در خواب یک شب ہمدمِ یارم کند دل طپد از ذوق چندانیکہ بیدارم کند

اگر کبھی قسمت یار کو خواب میں دکھلاتی ہے تو دل ذوق و شوق میں اتنا تڑپتا ہے کہ بیدار کر دیتا ہے، یعنی خواب میں بھی لذتِ ملاقات حاصل نہیں ہو پاتی۔

میر محمد یعقوب راہب: بسان چشم گر گرید بہ درد ہر عضوے غمے ہر کہ رسد می کند ملول مرا

میرا حال آنکھ کے جیسا ہے کہ جسم کے کسی عضو میں بھی درد ہو رونے لگتی ہے، اسی طرح ہر انسان کا غم مجھے ملول کر دیتا ہے۔

کلن حسین راغب: صد نامہ نوشتیم و جوابے نہ نوشتی ایں ہم کہ جوابے نہ نویسند جواب است

میں نے سیکڑوں خطوط لکھے مگر تو نے کسی کا جواب نہ دیا، درحقیقت جواب نہ دینا بھی ایک قسم کا جواب ہے۔

محمد امین ذوقی: ہم نشینم بخیالِ تو و آسودہ دلم کیں وصالیست کہ در پے غم ہجرانش نیست

میں تیرے خیال میں مست اور آسودہ دل ہوں، یہ وہ وصال ہے جس میں غم جدائی کا خطرہ نہیں۔

پس از عمرے کہ بہر پرسشِ ما یار می آید غمِ خود با کہ گویم ہمرہ اغیار می آید

اگر ایک مدت کے بعد محبوب میری پرسشِ حال کے لیے بھی آتا ہے تو اپنے ساتھ غیروں کو بھی لاتا ہے، اس لیے غمِ دل کس کو سناؤں۔

ملا حیدر ذہنی: چہ سود ازیں کہ حریمِ دلم نشیمن تست کہ درمیانِ من و دل ہزار فرسنگ است

اس سے کیا فائدہ کہ میرا حریم دل تیرا نشیمن ہے، اور اس میں تیری یاد ہے، اس لیے کہ خود مجھ میں اور میرے دل میں ہزاروں کوس کا فاصلہ ہے، اس لیے میری تسلی کس طرح ہو سکتی ہے،

زکی ہمدانی: عذرے ستمے ساخت کہ خونِ جگرم کرد می خواست تلافی کند آزردہ ترم کرد

اس نے اپنے جور و ستم کی معذرت کر کے اس کی تلافی کرنا چاہی، مگر اس کی معذرت نے مجھکو اور زیادہ رنجیدہ کر دیا۔

یک ناوکِ کاری زکمانِ تو نخوردیم ہر زخم تو محتاج بزخمِ دگرم کرد

تیری کمان سے ایک کاری تیر بھی نہ لگا جو آسودہ کر دیتا، اس لیے ہر زخم کے بعد دوسرے زخم کی احتیاج باقی رہی،

دلم بحسرتِ آں مرغِ ناتواں میرد کہ در قفس بہ تمنائے آشیاں میرد

میرا دل اس مرغِ ناتواں کی حسرت پر مرتا ہے جو قفس میں آشیانہ کی تمنا میں مرجاتا ہے،

زکی دیارِ محبت غریب ملکتے ایست در و کسے کہ بہ پیری رسد جواں میرد

زکی محبت کی دنیا بھی عجیب ملک ہے، اس میں جو بڑھاپے کو پہنچتا ہے وہ بھی جوان مرتا ہے یعنی محبت پر بڑھاپا نہیں آتا وہ ہمیشہ جوان رہتی ہے،

زلالی اور گنجی: نہ نگہتے نہ گلے نے خراش از خارے دریں چمن بچہ دل خوش کند گرفتارے

ایسے چمن میں جہاں نہ خوشبو ہو نہ پھول ہو نہ کانٹے کی خراش ہو کوئی تو گرفتار کس سے دل

خوش کر سکتا ہے، دل بہلانے کے لیے کوئی سامان تو ہونا چاہیے،

زینتی استرآبادی: بد خو مکن بوعدۂ وصل اہلِ درد را بگذار تا بمحنتِ ہجرِ تو خو کنند

وصل کا وعدہ کر کے اہلِ درد کی عادت نہ بگاڑ انکو انکے حال پر چھوڑ دے کہ وہ تیرے ہجر کی مشقت برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں،

زین خاں کوکلتاش: بیک شب چہ عشرت تواں کرد با تو تماشا کنم مے خورم راز گویم

ایک رات میں تیرے ساتھ کیا عیش و عشرت کیجا سکتی ہے، تیرے حسن کا نظارہ کروں، شراب پیوں، راز و نیاز کی باتیں کروں، کیا کیا کروں،

سید حسین زینتی: راست کن کارِ خود امروز کہ فردا چوں تیر گرم رفتن چو شوی روے بپس نتواں کرد

اپنا جو کام کرنا ہے آج ہی کر لو، کل جب تیر کی طرح عمر گریزاں بھاگے گی تو پھر مڑ کر دیکھنے کی مہلت نہ ملے گی،

شیخ سعدی: دوست می دارم من ایں نالیدنِ جانسوز را تا بہر نوعے کہ باشد بگذرانم روز را

میں اس جانسوز نالہ کرنے کو اس لیے دوست رکھتا ہوں تاکہ جس طرح بنے اس مشغلہ میں دن کاٹ دوں،

حدیثِ عشق چہ داند کسے کہ در ہمہ عمر بسر نکوفتہ باشد درِ سرائے ترا

وہ شخص عشق و محبت کا ماجرا کیا جان سکتا ہے جس نے ساری عمر میں کبھی تیرے در پر سر نہ پٹکا ہو،

دلے کہ عاشق صابر بود مگر سنگ است زعشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است

جو دل عشق میں صبر کرنے والا ہو وہ دل نہیں پتھر ہے، کیونکہ عشق اور صبر کے درمیان ہزاروں کوس کا فاصلہ ہے،

دل از سنگ بباید بسرِ راہ وداع — کہ تحمل کند آں لحظہ کہ محمل برود

محبوب کے محمل کی روانگی کے وقت اس کی رخصتی کا منظر برداشت کرنے کیلیے پتھر کا دل چاہیے

خبرے ما برسانید بمرغانِ چمن — کہ ہم آواز شما در قفسے افتاد است

میری یہ خبر مرغانِ چمن کو پہنچا دو کہ تمھارا ایک ہم آواز قفس میں گرفتار ہوگیا ہے،

(اس سے اُن کی کچھ تسلی ہو جائے گی)

بلطف دلبرِ من در جہاں نہ بینی دوست — کہ دشمنی کند و دوستی بیفزاید

میرے دلبر کے جیسا مہربان دوست دنیا میں نہیں مل سکتا کہ وہ دشمنی کرنے پر بھی

دوستی بڑھاتا ہے یعنی اس کی دشمنی سے بھی اس کی محبت بڑھتی ہے۔

دو عالم را بہ یکبار از دلِ تنگ — بروں کردیم تا جائے تو باشد

میں نے اپنے دل تنگ سے اکبارگی دونوں جہان کو نکال دیا تاکہ تیرے لیے

جگہ خالی ہو جائے یعنی تیرے سوا اب اس دل میں کسی کی گنجائش نہیں، اسلیے تجھے آجانا چاہیے،

گفتہ بودم چو بیائی غمِ دل با تو بگویم — چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی

میں نے سونچا تھا کہ جب تو آئیگا تو غم دل تجھ سے بیان کروں گا مگر جب تو آجاتا ہے تو

سارا رنج و غم جاتا رہتا ہے، اس لیے غم دل کیا بیان کروں،

میر کا یہ شعر اسی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا — سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

مرداں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم — باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں نے تجھکو کیوں دل دیا، حالانکہ پہلے تجھ سے پوچھنا چاہیے کہ تو اتنا

خوبرو کیوں ہے؟

میر کہتے ہیں:

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ — ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے پیارے کیوں ہوئے

دی زمانے بر سعدی بہ تکلف بنشست — فتنہ بنشست چو برخاست قیامت برخاست

کل تھوڑی دیر کے لیے محبوب سعدی کے پہلو میں تکلف سے بیٹھا، جب تک بیٹھا فتنہ بیٹھا رہا

جب اٹھا تو قیامت بن کر اٹھا۔

سعدیا نوبتی امشب دہلِ صبح نکوفت — یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را

سعدی کیا بات ہے کہ گھڑیال بجانے والے نے آج رات صبح کا گھنٹہ نہیں بجایا یا شب تنہائی

کی صبح ہی نہیں ہوتی کہ اس کا گھنٹہ بجتا۔

سلمان ساوجی: گاہے ز دل بود گلہ گاہے ز دیدہ ام — من انچہ دیدہ ام از دل و دیدہ دیدہ ام

مجھکو کبھی دل کا گلہ ہے اور کبھی آنکھ کا، مجھے جو کچھ دیکھنا پڑا انہی دونوں کی بدولت دیکھنا پڑا۔

چشمِ سرمستِ ترا عینِ بلا می بینم — لیکن ابروئے تو چیزیست کہ بالائے بلاست

تیری مست آنکھ خود ایک بلا تھی، لیکن تیرے ابرو تو اس سے بڑھ کر بلا ہیں، ابرو آنکھ کے

اوپر ہوتے ہیں، شاعر نے اس کو بالائے بلا سے تعبیر کر کے شعر میں اک لطف پیدا کر دیا،

مرزا سام سامی: آزردہ شد از چشم من امشب کفِ پایت — لے وائے کفِ پائے ترا چشم رسید است

آج رات کو تیرے قدموں پر آنکھ ملنے سے تیرے نازک تلووں کو تکلیف پہنچ گئی، افسوس

دل کی وجہ سے اس کو نظر لگ گئی۔

ملا جمال سپہری: ندانم آنکہ بدرگاہ کعبہ رو آورد — بعذر خواہی آں خاک آستاں چہ کند

میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص کعبہ کا رخ کرتا ہے، وہ محبوب کی خاکِ آستاں کے

سامنے کیا عذر کرے گا،

سحابی استرآبادی: کارم گہے صنمگری و گہ شکست اوست — بیتاب عشق ہرچہ کند حق بدست اوست

مرا کام کبھی بت بنانا ہے اور کبھی اس کو توڑنا ہے، بیتاب عشق جو بھی کرتا ہے حق اور صحیح کرتا ہے، اس لیے بت شکنی و بت گری دونوں صحیح ہیں ،

سلطان محمد قمی: از قتلِ من مترس کہ دیوانیانِ حشر — مجرم کنند بہر تو صد داد خواہ را

میرے قتل پر مواخذہ کا خوف نہ کر کیونکہ حشر کے دفتر والے تیرے لیے سیکڑوں داد خواہوں کو الٹا مجرم بنا دیں گے ،

کاشی: نہ تاب دیدن و نے طاقتِ شکیبائی — تو چوں نقاب کشی رحم بر تماشائی است

نہ تو تجھکو دیکھنے کی تاب ہے اور نہ صبر کی طاقت ہے، اس لیے ترا نقاب ڈال لینا درحقیقت تماشائی پر رحم ہے ،

در روزگارِ عشق تو من ہم فدا شدم — افسوس کز قبیلۂ مجنوں کسے نماند

ترے عشق کے روزگار میں میں نے بھی جان فدا کر دی ، افسوس کہ مجنوں کے قبیلے کا کوئی بھی باقی نہیں رہ گیا ،

چشم بر راہ بند میخواراں کہ کے باراں شود — ابر می خواہند مستاں خانہ گو ویراں شود

میخوار انتظار میں ہیں کہ کب پانی برستا ہے، وہ ابر کے متمنی ہیں، خواہ بارش سے ان کا گھر ہی ویران ہو جائے ،

ایم دیت بس است کہ ہنگامِ بازخواست — نعشم بر آستانۂ قاتل نہادہ اند

میرے قتل کا یہ خونبہا کافی ہے کہ جنازہ لیجاتے وقت میری نعش لوگوں نے قاتل کے آستانہ پر رکھدی۔

وقت است کہ چوں صبح ببالینِ من آئی — شمعِ سحرم یکدو نفس بیش ندارم

یہی وقت ہے کہ صبح کو میرے سرہانے آجاؤ، کیونکہ میری شمعِ حیات ایک دو نفس کی مہمان ہے، زیادہ زحمت نہ کرنا پڑے گی ،

من آں نیم کہ نسیم گلم فریب دہد — باشنائی بلبل مگر بباغ روم

مجھکو پھولوں کی نسیم فریب نہیں دے سکتی (میں پھولوں کی سیر کے لیے نہیں) بلکہ بلبل کی دوستی میں باغ میں جاتا ہوں ،

فریدوں سابق: اس شعر کی سادگی قابل دید ہے :

قاصد بخدا آں بت عیار چہ می گفت — قربان زبانِ تو بگو یار چہ می گفت

قاصد خدا کے لیے بتا دے کہ اس بتِ عیار نے تجھ سے کیا کہا، تیری زبان کے قربان بتا دے یار نے کیا کہا ،

محمد قلی سلیم: در چمن دوش صبا بوئے تو سودا می کرد — گل بکف داشت زر و غنچہ گرہ وا می کرد

کل چمن میں باد صبا تیری خوشبو کا سودا کر رہی تھی، اس کو خریدنے کے لیے پھول زرِ گل ہاتھ میں لیے تھا اور غنچہ گرہ کھول رہا تھا، (غنچہ کے کھلنے کو گرہ کھولنے سے تشبیہ دی ہے)

آئینہ بکف گیر کہ از رشک بمیرم — در کشتنِ ما حاجتِ شمشیر ندارد

مجھکو قتل کرنے کے لیے تلوار کی حاجت نہیں ہے، تم آئینہ ہاتھ میں لے لو، میں خود رشک میں مر جاؤں گا ،

محمد افضل سرخوش: در عدم ہم ز عشق شورے ہست — گل گریباں دریدہ می آید
در تہ خاک نیز راحت نیست — سبزہ دامن کشیدہ می آید

عدم میں بھی عشق کا ہنگامہ ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو پھول عدم سے وجود میں آتا ہے وہ گریباں دریدہ ہوتا ہے، اور زیرِ خاک بھی راحت میسر نہیں، چنانچہ جو سبزہ اگتا ہے وہ دامن کشیدہ

اُگتا ہے،

میر جلال الدین سیادت: فزود چشم ترمن شکوہ خوباں را کنارِ آب دو چنداں کند چراغاں را

میری چشم گریاں نے حسینوں کی شان بڑھا دی جس طرح پانی کے کنارے چراغوں کے عکس سے چراغاں دو دکھائی دیتا ہے، اس طرح میرے آنسوؤں نے ترے حسن کو بڑھا دیا،

کدام ماہ جبیں دوش مجلس آرا بود کہ شمع از در فانوس در تماشا بود

کل یہ کون مہ جبین مجلس آرا تھا، کہ شمع محفل بھی فانوس کے در سے اسکا تماشا کر رہی تھی،

شد از اشکم رفتہ رفتہ دیدۂ گریاں سفید میکند ابر سیہ را عاقبت باراں سپید

میرے آنسوؤں کی کثرت سے رفتہ رفتہ آنکھیں سپید ہوگئیں، جس طرح سیاہ ابر کو آخر میں بارش سپید کر دیتی ہے، اور پانی برسنے کے بعد ابر کی سیاہی جاتی رہتی ہے،

ملا علی اکبر سودا: از چاک دل نظر بہ رخ یار می کنم سیرِ چمن بر خنۂ دیوار می کنم

میں دل کے چاک سے یار کے رخ کا نظارہ کرتا ہوں یعنی رخنۂ دیوار سے چمن کی سیر کرتا ہوں،

مرزا اشرف قزوینی: رفتی و سراپائے ترا سیر ندیدیم داغے بجگر ماند ز ہر جائے تو مارا

تو چلا بھی گیا اور میں ترے سراپا کو جی بھر نہ دیکھ سکا، تیرے ہر عضو سے جگر میں ایک داغ رہ گیا،

خوش آں ساعت کہ پنہانی بروئے یار می دیدم چو می گردد نظر سویم سوئے اغیار می دیدم

وہ وقت کیا خوش آیند تھا کہ میں پوشیدہ محبوب کی طرف دیکھتا تھا جب وہ میری طرف دیکھتا تھا تو میں دوسروں کی طرف دیکھنے لگتا تھا،

شریفی تبریزی: ز گردوں مرگ می خواہم حیاتی می دہد آلے فلک بسیار زنیساں لطفہائے بے محل دارد

میں آسمان سے موت مانگتا ہوں وہ زندگی دیتا ہے، وہ ایسی بے محل مہربانیاں بہت کرتا ہے۔

شہیدی قمی: خوش آں زماں کہ گویاں کنند غارتِ شہر مرا تو گیری و گوئی کہ ایں اسیرِ من است

وہ وقت بھی کیسا پر لطف ہو کہ جب خوبرو شہر کو غارت کر رہے ہوں تو تو مجھے پکڑ لے اور کہے کہ یہ میرا قیدی ہے (اس کو نہ غارت کرو)

شرمندۂ ز طعنۂ مردم برائے من خوبیِ تو بلائے تو ہم شد چہ جائے من

تجھکو میری وجہ سے لوگوں کے طعن و طنز سے شرمندہ ہونا پڑتا ہو، میرا کیا ذکر تیرا حسن خود تیرے لیے مصیبت بن گیا ہے،

بہ بید رداں نشینی کے فتد بر من نگاہ از تو نہ دردِ عشق می دانی نہ قدرِ حسن آہ از تو

تو تو بے دردوں کا ہم نشین ہے، تیری نگاہ مجھ پر کیسے پڑ سکتی ہے، افسوس کہ تو نہ دردِ عشق کو جانتا ہے اور نہ حسن کی قدر پہچانتا ہے،

شاپور طہرانی: نہ نشست آنقدر کہ ببینم رخش درست چشمش ہزار کار و دلش صد خیال داشت

محبوب اتنی دیر بھی نہ بیٹھا کہ میں اس کے حسن کا پورا نظارہ کر سکتا، اتنی دیر میں بھی اس کی چشم فسوں ساز ہزاروں کاموں اور اس کا دل سیکڑوں خیالات میں مشغول رہا، یعنی اس نشست میں بھی یکسوئی سے نہ بیٹھا،

سینہ بر خنجرِ اُو زن کہ شہادت بر ما ناقص است ار مدد کشتہ بہ قاتل نرسد

محبوب کی تیغ زنی کے وقت خود اپنے سینہ کو ہدف بنا دے کہ وہ شہادت ناقص ہے جس میں مقتول کی مدد شامل نہ ہو،

حال مرغیست دلم را کہ بہ اندازِ چمن ز آشیاں آید و در دام گرفتار شود

میرے دل کا حال اس چڑیا کی طرح ہے جو چمن میں جانے کے خیال سے آشیانہ سے نکلتی ہو مگر دام میں پھنس جاتی ہو، میں بھی حسن کی بہار سے لطف اندوز ہونے کے لیے نکلا تھا مگر عشق کے اندوہ میں گرفتار ہو گیا۔

چہ کنم حسرتِ پرواز گلستاں لے کاش   نگذارند کہ کنج قفس گرم کنم

میں گلستاں میں پرواز کی تمنا کیا کرسکتا ہوں، کاش مجھے کنج قفس ہی میں رہنے کے لیئے چھوڑ دیں،

بہر گلشن کہ بایں نغمہ پردازی وطن کردم   زیارتگاہ مرغان چمن شد آشیانِ من

ایسی نغمہ پردازی کے ساتھ جس گلشن کو بھی میں نے وطن بنایا، میرے نغمہ کی دلآویزی سے میرا آشیانہ مرغان چمن کی زیارت گاہ بن گیا،

شجاع کاشی: تاکے ملامتِ مژۂ اشکبارِ من   یکبار ہم نصیحتِ چشم سیاہ خویش

میری اشکبار مژہ کو کب تک ملامت کرتے رہوگے، ایک بار اپنی چشم سیاہ کو بھی تو نصیحت کرو جس نے اشکبار بنایا ہے،

کشت مرا تغافلت دی چو شدی دوچارِ من   یافتہ کہ عاشقم وائے بروزگارِ من

کل جب تیرا سامنا ہوا تو ترے تغافل نے مجھے مار ڈالا، تجھپر میرا عشق ظاہر ہونا میرے لیے مصیبت بن گیا،

میر کا یہ شعر اسی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے

ہائے احوال اس بلاکش کا   جس کو عاشق وہ اپنا جان گیا

شریف خاں شیرازی: زمین عشق بکونین صلح کل کردم   تو خصم گردہ زما دوستی تماشا کن

میں نے عشق کی برکت سے دونوں عالم سے صلح کرلی تم مجھ سے دشمنی کرکے میری دوستی کا تماشا دیکھ لو، میں دشمنی کے بعد بھی دوست ہی رہوں گا،

شعوری: ز من بغیر خیالِ نماندہ است ہنوز   بخاطرت چو رسم از من احتراز کنی

تو بھی میرے خیال سے خالی نہیں رہتا چنانچہ جب ترے دل میں میرا خیال آتا ہے تو اس سے

احتراز کرتا ہے، یہ احتراز خود خیال آنے کی دلیل ہے،

خواجہ شعیب: بجرم آنکہ شبہا در سر میداد جاناں را   بزنداں کردہ ام در تنگنائے سینہ افغاں را

اس جرم میں کہ میری فریاد و فغاں راتوں کو محبوب کے سر میں درد پیدا کردیتی ہے، میں نے اس کو سینہ کے قید خانہ میں قید کردیا ہے یعنی اس کے دردسر کے خیال سے فریاد و فغاں بھی نہیں کرتا۔

حکیم شفائی: امروز شد از زبانی ما تا چہ شود باز   آں لطف کہ دیروز بحالِ دگرے داشت

کل جو لطف و مہربانی غیروں کے ساتھ تھی وہ آج میرے حال پر مبذول ہے، دیکھیں اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، یہ لطف بے سبب نہیں ہے،

دل بہ آں درد نہ بندم کہ چوں زخم ہوس   بر درِ وصل بدریوزۂ درماں بردد

میں ایسے درد والم سے دل نہیں لگاتا جو زخم ہوس کی طرح وصل کے دروازے پر درماں کی بھیک مانگنے جاتا ہے، یعنی میرا درد والم وصل کے درماں کا طالب نہیں ہے

نمیدانم کہ دل را از کدامی عشوہ بستانم   ربودند از ہمش چندانکہ مسکیں از میاں گم شد

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ محبوب کے کس عشوہ سے دلِ گم گشتہ کا مطالبہ کروں، ان سب نے مل کر اس کو اس طرح چھینا ہے کہ غریب درمیان سے گم ہوگیا اور اب اس کا ملنا مشکل ہے،

حالِ آں مرغ چہ باشد کہ پس از گل ناچار   غنچۂ دل بخس و خار گلستاں بندد

اس غریب مرغ کا کیا حال ہوگا جو فصل گل کے بعد چار و ناچار غنچۂ دل کو گلستاں کے خار و خس سے لگاتا ہے۔

پرستارے ندارم بر سر بالین بیمارے   مگر دردم از یں پہلو بآں پہلو بگرداند

تیمارداری کے لیے کوئی لونڈی غلام بھی بیمار کے سرہانے نہیں ہے، خود میرے درد کا اضطراب پہلو بدلواتا ہے۔

بایں شوخی نمی دانم چہ خواہی کرد مستوری   کہ گر جائے دو چار خود شود بدنام می گردد

بایں شوخی و شرارت اپنے کو کس طرح چھپا سکتا ہے اگر کسی جگہ خود اپنے سے بھی دو چار
ہوتا ہے تو خود اس کی شوخی و شرارت بدنام کر دیتی ہے،

دلم از بد گمانی تا بصد رہ افگند قاصد   حکایت گوید و عمداً در اثنائے سخن خندد

قاصد میرے دل کو بدگمانی کی وجہ سے سیکڑوں قسم کے خیالات میں مبتلا کر دیتا ہے کیونکہ محبوب
کی حکایت بیان کرتے وقت اثنائے سخن میں ہنستا جاتا ہے جس سے طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔

شہرت نمک دعویٰ عشق است و گرنہ   زاں گونہ تواں زیست کہ جاناں نہ داند

دعویٰ عشق کے نمک کی شہرت نے مجبور کر دیا ہے، ورنہ اس طرح بھی زندگی بسر کیجا سکتی
ہے کہ محبوب کو بھی خبر نہ ہونے پائے،

نشد فرصت کہ چنداں لذت وصل تو برگیرم   کہ در ایام محرومی من و دل را بکار آید

مجھے اس کی فرصت ہی نہیں ملی کہ وصل کی لذت اتنی حاصل کر لیتا کہ ہجر کی محرومی کے زمانہ
میں میرے اور دل کے کام آسکے۔

کار مے نیست فروغ رخ عالم سوزش   ایں چراغیست کہ از خون من افروختہ است

محبوب کے رخ عالم سوز پر جو فروغ اور رونق ہے، وہ شراب کا اثر نہیں ہے، بلکہ اس
چراغ کو میرے خون کی سرخی نے روشن کیا ہے۔ ع اس میں کچھ خونِ تمنا بھی ہے شامل میرا

رد کردہ نگاہے کہ رقیبے نہ پسندد   قربان سر ناز کن و سوئے من انداز

وہ رد کی ہوئی نگاہ جس کو رقیب پسند نہیں کرتا اسکو اپنے ناز کے صدقے میں مجھ پر ڈالدے۔

غافل ز بس شدیم ز کوشش دم وداع   دل را ز اضطراب ہماں جا گذاشتیم

محبوب کے کوچہ سے رخصت ہوتے وقت بیخودی میں ایسا غافل ہوا کہ غایت اضطراب میں

دل کو وہیں چھوڑ دیا۔

چوں لب از قصۂ اظہار محبت واماند   بزبانِ نگہ گرم تماشا کردم

جب لب محبت کی روداد بیان کرنے سے قاصر رہے تو نگاہ گرم کی زبان سے میں نے اسکو
پورا کیا یعنی جو بات زبان سے نہ کہہ سکا اس کو نگاہوں نے کہہ دیا۔

عجب متاع زبونیست ایں وفاداری   کہ مفت ہم نخریدند ہر کجا بردم

وفاداری کی متاع ایسی کھوٹی ہے کہ جہاں لے جاتا ہوں اس کو کوئی مفت بھی نہیں خریدتا
یعنی اس زمانہ میں اس کی کوئی قدر نہیں رہ گئی ہے،

تو بجلوہ چوں در آئی اجل از سر ترحم   ہمہ جا کند منادی ز تو احتراز کردن

تو جب جلوہ طرازی کرتا ہے تو موت از راہ ترحم ہر جگہ تجھ سے بچنے کی منادی کرتی پھرتی
ہے کہ تجھے دیکھنا موت کو پیام دینا ہے۔

شکیبی اصفہانی: لائقِ مجلس نیم لیک از برائے چشم زخم   شاخ خشکے نیز در کار است بستانِ ترا

اگرچہ میں تیری بزم کے لائق نہیں ہوں لیکن تیرے باغ حسن کو نظر بد سے بچانے کے لیے
خشک شاخ کی بھی ضرورت ہے، یہی سمجھکر مجھکو اپنی محفل میں جگہ دیدینی چاہیے،

شبہائے ہجر را گذرانیدیم زندہ ایم   ما را بسخت جانی خود ایں گماں نبود

ہجر کی راتوں کو گذار کر بھی زندہ ہوں، مجھے اپنی سخت جانی سے اسکی امید نہ تھی۔

شوقی: دوریم بصورت ز تو نزدیک بمعنی   مانند دو مصرع کہ ز ہم فاصلہ دارد

میں ظاہر میں تو تجھ سے دور رہوں مگر باطن میں نزدیک ہوں، جس طرح ایک
شعر کے دو مصرع ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں، مگر معنی کے لحاظ سے قریب اور
ایکدوسرے سے مربوط ہوتے ہیں،

ملا شیدا: گہے بروئے تو گاہے بسوئے گل نگرم   کند مقابلہ کس چوں کتاب را تنہا

میں کبھی تیرا چہرہ دیکھتا ہوں اور کبھی پھول پر نظر ڈالتا ہوں جس طرح ایک تنہا شخص کسی کتاب کا مقابلہ کرتا ہو۔ (مقابلہ کرنا ایک ہی کتاب کے دو نسخوں کو صحت کے لیے ملا کر دیکھنے کو کہتے ہیں)

شاہ نظر: وقت مردن دامنِ قاتل بدست آید مرا   آخرِ عمر آرزوئے دل بدست آید مرا

کاش مرتے وقت قاتل کا دامن ہاتھ میں آجاتا تو آخری عمر میں دل کی آرزو حاصل ہو جاتی

ز قتلم بنوعے سخن می کند   کہ گوئی مرا دیگرے کشتہ است

مرے قتل پر (انجان بنکر) اس طرح باتیں کرتا ہے کہ گویا اس نے نہیں بلکہ کسی دوسرے نے قتل کیا ہے۔

یک جفا را ہزار دلیل آورد بہ بعد   یا رب کہ دلربائے کسے نکتہ داں مباد

محبوب ایک ظلم کے جواز کی ہزار دلیلیں دیتا ہے، خدا کسی کے دلربا کو نکتہ داں نہ بنائے،

دست من گیر کہ ایں دست ہمان است کہ من   سالہا در غمِ ہجر تو بہ سر زدہ ام

میرا ہاتھ تھام لے کہ یہ وہی ہاتھ ہے جس نے ترے غم ہجر میں برسوں سر پیٹا ہے، اس لیے تیری دستگیری کے لائق ہے،

محمد ابراہیم شوکتی: ز پارہ دل من ہیچ گوشہ خالی نیست   کدام سنگدل ایں شیشہ بر زمیں زدہ است

کس بیدرد نے مرے شیشۂ دل کو زمین پر پٹکا ہے کہ چور چور ہو گیا ہے اور اس کا کوئی گوشہ بھی اس کے ٹکڑوں سے خالی نہیں ہے، ہر جگہ اس کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں،

ملا شیب غجدانی: باہر کہ حرفِ دوستی اظہار میکنم   خوابیدہ دشمن است کہ بیدار می کنم

میں جس سے بھی دوستی کا اظہار کرتا ہوں گویا ایک خوابیدہ دشمن کو بیدار کرتا ہوں، یعنی اس زمانہ میں جس سے بھی دوستی کیجائے وہ بعد میں دشمن نکلتا ہے،

میر کاظم شرر: نمی خواہد دلم زخمیکہ با مرہم بود کارش   من و آسایشِ دردے کہ از درماں بود عارش

میرا دل ایسے زخم کا طالب نہیں ہے، جس کو مرہم کی ضرورت ہو، مجھکو تو ایسے درد کی راحت مطلوب ہے جس کو درماں سے عار ہو۔

میر سعد شعلہ: آں بخت نداریم کہ ہم بزم تو باشیم   ما در سرِ راہے تو و آہے و نگاہے

میری قسمت ایسی کہاں کہ تیری بزم کے لائق بن سکوں، میرا حصہ تو تری رہگذر، آہ کرنا اور تیری ایک نگاہ غلط انداز ہے۔

میر صبری صفاہانی: ایں بس جزائے کشتن صبری کہ روز حشر   حسرت نمی خورد کہ چرا بسملِ تو نیست

صبری کے خون کے معاوضہ کے لیے یہ کافی ہے کہ حشر کے دن اس کو اس کی حسرت نہیں رہ گئی کہ وہ تیرا بسمل کیوں نہ ہوا، یعنی عاشق کے قتل کا سب سے بڑا معاوضہ یہی ہے کہ وہ محبوب کے ہاتھ سے قتل ہوا ہے۔

من بہ پیش درد دل گویم بصد امید و او   منتظر کیں گفتگوئے من بہ پایاں کے رسد

میں تو سیکڑوں امیدوں سے اس کے سامنے درد دل بیان کرتا ہوں اور اس کا حال یہ ہے کہ وہ اس کے انتظار میں رہتا ہے کہ یہ دکھڑا کب ختم ہوتا ہے۔

مجنوں بہ ریگ بادیہ غمہائے خود شمرد   یادِ زمانہ کہ غمِ دل حساب داشت

مجنوں صحرا کی ریگ پر لکیریں کھینچکر اپنا غم دل شمار کیا کرتا تھا، اب وہ زمانہ گیا کہ دل کے غموں کا شمار ہو سکتا تھا، یعنی میرے غم حد شمار سے باہر ہیں۔

نکرد خاطرم اے خوشدلی چہ میکردی   کدام روز ترا با من آشنائی بود

خوشدلی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو نے یہ کیا کیا کہ کبھی میری خاطر نہیں کی، کس دن تجھ کو مجھ سے آشنائی تھی، یعنی کبھی نہیں تھی اور کبھی خوشی حاصل نہیں ہوئی۔

صفی ساؤجی: دل گر سر از رضائے تو پیچد بگذراں   با من کہ بود نیز بہ فرمانِ ما نبود

اگر میرا دل تیرے منشاء سے روگردانی کرتا ہے تو اس کو معاف کردے، کیونکہ وہ جب میرے پاس تھا تو میرے کہنے میں بھی نہ تھا۔

تو کہ ذوقِ عیش داری بشنو پیام قاصد — کہ بجز ہلاکِ صبری خبرے دگر ندارد

معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تجھ کو عیش و عشرت کا ذوق ہے تو قاصد کا پیام سن لے اسکے پاس صبری کی موت کے علاوہ اور کوئی خبر نہیں ہے، اس سے تیرا عیش منغض نہ ہوگا بلکہ اور اطمینان ہو جائیگا۔

صلحی اندرانی: صلحی ترا کہ طاقتِ ننگِ وصال نیست — در حیرتم کہ در شب ہجراں چہ می کنی

صلحی تجھ میں تو روز وصال برداشت کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے، مجھے حیرت ہے کہ شب ہجر میں کیا کرتا ہوگا۔

قاسم صیرفی: غنچۂ نگذاشت کارام دل بلبل کند — باغباں امروز گل سخت بیرحمانہ چید

باغبان نے پھولوں کو اتنی بیدردی سے توڑا کہ ایک غنچہ بھی نہ چھوڑا کہ وہی بلبل کے دل کے لیے آرام بنتا

حاجی محمد صادق: در خانۂ شکستہ نگیرد کسے قرار — ترسم کہ رفتہ رفتہ غم از دل بدر شود

ٹوٹے ہوئے گھر میں کوئی نہیں ٹھہرتا، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ رفتہ رفتہ میرے دل شکستہ سے ترا غم نہ نکل جائے۔

چہ شد گر غیر جا در بزم آں پیماں شکن دارد — دو روزے دیگرے بیچارہ ہم احوالِ من دارد

اگر آج اس پیماں شکن کی بزم میں رقیب کی پذیرائی ہے تو کیا حاصل، دو دن کے بعد اس بیچارے کا بھی وہی حال ہوگا جو میرا ہوا۔

زکویت می برد امروز فردا غیرت عشقم — اگرچہ زندگانی بے تو دشوار است میدانم

عشق کی غیرت آج ہی کل میں تیرے کوچہ سے نکلنے پر مجبور کردے گی، گو یہ معلوم ہے کہ تیرے بغیر زندگی دشوار ہے۔

(باقی)

مکتوب حمید

پیرس - ۱۸ ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ دوشنبہ

مخدومی زاد فیضکم — سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج صبح عنایت نامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

میں معارف میں کم لکھتا ہوں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ میری نظر میں اس کی عزت کم ہے، واقعہ تو یہ ہے کہ آجکل ساری دنیائے اسلام میں، عرب ہو کہ عجم، کوئی اسلامی رسالہ اسلامیات پر اعظم گڈھ والے معارف کے معیار کا نہیں۔ اوروں کے ہاں کاغذ اور طباعت بہتر ہوسکتی ہے، لیکن مضامین کے مندرجات میں علمی معیار بدقسمتی سے کچھ بھی نہیں، خدا معارف کو سلامت باکرامت رکھے، میں خود معارف میں جگہ پاؤں تو اپنے لیے باعثِ عزت سمجھتا ہوں، لیکن جہاں رہتا ہوں وہاں والوں کی علمی لسانی خدمت پہلا فریضہ ہے، خدا کا کرنا ہے کہ مقامی زبان میں بھی خامہ فرسائی کرلیتا ہوں اور خوش ہوں کہ کارے کردم۔ اللہ کا احسان ہے کہ گزشتہ پچیس ۲۵ سال میں ہزار ہا صفحے چھپ چکے ہیں، اور عظیم تر احسان یہ کہ ان کا تاثر بھی توقع سے کہیں زیادہ اچھا ہوا ہے، مثلاً فرانسیسی میں ۳۶ تراجم قرآن میں، میرا ناچیز ترجمہ تقریباً ہر سال مکرر چھپتا اور دس دس ہزار نسخے ناشر کے ہاں ہاتھوں ہاتھ چند ماہ

میں ختم ہو جاتے ہیں، آج کل آٹھواں اڈیشن چھپ رہا ہے، (پروف آرہے ہیں) کوئی پچاس صفحے کے حواشی بڑھائے ہیں، کوئی دوسرا ترجمہ اتنا زیادہ نہیں چھپتا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

سیرۃ النبی کی دو ضخیم جلدیں بھی انشاء اللہ اب مکرر چھپنے والی ہیں، ان میں بھی پچاس ساٹھ صفحوں کے چند نئے ابواب بڑھائے ہیں، مضامین بھی الحمد للہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں شوق سے پڑھے جاتے ہیں، مقامی اسلامی اور نصرانی ادارے بھی تقریروں کے لیے آئے دن بلاتے رہتے ہیں،

یہ تعلّی کے لیے عرض نہیں کر رہا ہوں، بلکہ عذر کے طور پر کہ اس مشغولیت کے بعد اتنا وقت نہیں ملتا کہ اردو میں کچھ لکھوں اور ضمیر کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتا ہوں کہ الحمد للہ اردو میں اسلامیات پر لکھنے والے اچھے اور کافی ہیں، تیری ضرورت نہیں،

بعض لوگ "معصومانہ" تجویز پیش کرتے ہیں کہ اپنے فرانسیسی جرمن مقالوں کا اردو ترجمہ کردو، لیکن اگر میں اپنی ہی تحریروں کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے لگوں تو نئے اور زیر تیاری مقالات کی تکمیل کون کرے؟

رومی قانون کا مضمون نہ معلوم آپکے ہاں کونسا پہنچا ہے، نہ معلوم بچوں نے اصل مضمون بھیجا یا اصل اپنے پاس رکھ کر نقل بھیجی، التماس ہے کہ ان سے اصل منگوائیں، کیونکہ نقل نویس بعض وقت نادانستہ غلطیاں کرتے ہیں، اور خاصکر اس مضمون میں اتنے اجنبی نام اور الفاظ ہیں کہ نقطہ بھی جگہ سے ہٹ جائے تو بعض وقت مطلب خبط ہو جائے، کیا یہ ممکن ہے کہ اس مضمون کے کچھ مثلاً پچیس پچاس زائد نسخے نکالے جائیں؟ مصارف گزران دوں گا۔

محترم صباح الدین صاحب اور دیگر احباب کی خدمت میں سلام نیاز مندانہ عرض ہے۔

خادم محمد حمید اللہ

وفیات

مرزا احسان احمد صاحب مرحوم

افسوس ہے کہ ہمارے شہر کے مشہور وکیل اور نامور شاعر مرزا احسان احمد صاحب کا گذشتہ مہینہ انتقال ہوگیا، ان کی صحت عرصہ سے خراب تھی، ادھر کچھ دنوں سے صاحب فراش ہوگئے تھے، ۲۳ر دسمبر کو وفات پائی، وفات کے وقت ۷۷ سال کی عمر تھی، مرحوم شاعری کے ساتھ اردو کے ادیب ونقّاد بھی تھے، ان کا ادبی ذوق بڑا بلند اور پاکیزہ تھا، اُن کے کلام اور ادبی مضامین کا مجموعہ شائع ہوچکا ہے، ایک زمانہ میں ان کے اور اقبال احمد خاں صاحب سہیل مرحوم کے دم سے اعظم گڈھ میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، جگر مرحوم جب چشمہ کے ایجنٹ اور بعد میں شاعر کی حیثیت سے اعظم گڈھ آتے تھے تو مرزا صاحب ہی کے یہاں ٹھہرتے تھے، اور شعر و شاعری کی محفل گرم ہوتی تھی، اس میں مولانا عبد السلام مرحوم پابندی سے اور کبھی کبھی سید صاحبؒ بھی شریک ہوتے تھے، جگر صاحب کے کلام کا پہلا مجموعہ داغ جگر اعظم گڈھ ہی سے شایع ہوا، اس پر مرزا احسان احمد صاحب کا مبسوط مقدمہ ہے، اسی سے جگر صاحب کی شہرت کا آغاز ہوا، مرزا صاحب کے گھر سے دار المصنفین کے تعلقات بڑے گہرے تھے، ان کے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم دار المصنفین کی مجلس انتظامیہ کے ہمیشہ رکن رہے، ان کے بعد مرزا صاحب منتخب ہوئے، اور اپنی وفات تک رہے، ان کی زندگی بڑی سادہ اور درویشانہ تھی، استطاعت کے باوجود تکلفات سے ہمیشہ بری رہے، طبیعت میں بڑا استغنا تھا، ان کا پیشہ ضرور وکالت تھا مگر اسکی طرف انکا طبعی رجحان نہ تھا، بس بقدر ضرورت ہی وکالت

کرتے تھے، اور ادھر دس بارہ سال سے بالکل چھوڑ دی تھی، طبیعت بڑی مرنجاں مرنج تھی، کسی کے معاملات اور مقامی سیاست سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، اپنے حال میں مست رہتے تھے، صاحب خیر بھی تھے، کار خیر میں بڑی فیاضی سے صرف کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، "م"

مولانا عبد المجید حریری مرحوم

دوسرا علمی حادثہ مولانا عبد المجید حریری مرحوم کی وفات کا ہے، انھوں نے بھی گذشتہ مہینہ وفات پائی، مرحوم مدنپورہ بنارس کے ایک ممتاز انصاری خاندان سے تھے، عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کے فاضل تھے، عربی کی تکمیل کے بعد انگریزی کی تعلیم علی گڈھ کالج میں حاصل کی تھی، اور اپنے دور کے ممتاز طلبہ میں تھے، یہیں سے خلافت اور نان کوآپریشن کی تحریک میں شریک ہوئے اور ایک زمانہ تک جنگ آزادی میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، اس دور کے تمام بڑے بڑے لیڈروں سے ان کے تعلقات تھے، ہندوستان کی آزادی کے بعد حکومت ہند نے انکو سعودی عرب میں قونصل جنرل مقرر کیا، کئی سال تک اس عہدہ پر رہے، اس سے سبکدوش ہونے کے بعد کچھ دنوں تک سعودی عرب کے پایہ تخت ریاض میں قیام رہا، مرحوم ہندوستان کے ممتاز صاحب علم تھے، عربی زبان پر ان کو اہل زبان کی جیسی قدرت حاصل تھی، مقرر بھی اچھے تھے، لیکن افسوس انکے سیاسی ذوق نے انکے علمی جوہروں کو چمکنے کا موقع نہ دیا، ایک عرصہ سے اسکا دائرہ بھی مقامی سیاست تک محدود ہو گیا تھا، اسلئے وہ جس علمی شہرت کے وہ مستحق تھے وہ انکو حاصل نہ ہو سکی، اور اب عرصہ سے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی، وہ مسلکاً اہلحدیث تھے، لیکن ہر مسلک کے علماء اور اہل علم سے انکے تعلقات تھے، دار المصنفین کے بزرگوں سے بھی انکے پرانے روابط تھے اس سلسلہ میں کئی مرتبہ انکا یہاں آنا ہوا، گذشتہ سال ایک تقریب سے بنارس جانا ہوا تو ملاقات کیلئے انکی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا، بہت ضعیف ہو چکے تھے، دماغ بھی پوری طرح کام نہ دیتا تھا، تعارف کے بعد پہچانا، اور بڑی شفقت و محبت سے پیش آئے، اسیوقت اندازہ ہو گیا تھا کہ اب یہ چراغ زیادہ دنوں جلنے والا نہیں، ایک زمانہ میں علمی اور سیاسی حلقوں میں انکی خاصی شہرت تھی، مگر اس دور کے لوگ تو انکے نام سے بھی واقف نہ ہوں گے، والبقاء للہ وحدہ، اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے،

"م"

مطبوعات جدیدہ

مغربی تہذیب آغاز و انجام، مرتبہ جناب محمد ذکی صاحب لکچرار شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۰۰، مجلد قیمت ہ مصنف سے مذکورہ بالا پتہ پر ملیگی،

مغربی تہذیب اس کتاب کا موضوع بحث ہے، اس میں دکھایا گیا ہے، کہ اس کی ابتدار کب اور کس طرح ہوئی، اور پھر وہ کن کن مراحل سے گذر کر موجودہ مقام تک پہنچی ہے، مصنف کے خیال میں دنیا میں بنیادی حیثیت سے دو ہی تہذیبیں ہیں، ایک اسلامی دوسری غیر اسلامی، اسی موخر الذکر کا نام مغربی تہذیب ہے، جو کوئی نئی تہذیب نہیں ہے، بلکہ قدیم زمانہ سے اب تک چلی آرہی ہے، اسی نقطۂ نظر سے اس کتاب میں پہلے انسانی تاریخ کی ابتدا سے بحث کی ہے پھر مغربی تہذیب کے آغاز سے ابتک کی مفصل تاریخ اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں مگر اولاً تو مصنف کا یہ دعویٰ ہی ناقابل قبول ہے، دوسرے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آخر وہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ اور کیوں ان کے نزدیک اسلامی اور مغربی تہذیب کے صالح عناصر میں ہم آہنگی ناممکن ہے؟ اس سلسلہ میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی پر ان کے اعتراضات بیجا معلوم ہوتے ہیں، تاہم اس سے قطع نظر اس کتاب میں تہذیب و ثقافت کے بعض مرکزوں اور گہواروں جیسے عراق، مصر، یونان، روم اور قرون وسطیٰ کے کلیسائی نظام اور فرانس (انقلاب سے پہلے اور بعد) وغیرہ کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی حالات اور رجحانات کے بارہ میں مغربی مورخین

کے حوالہ سے مختلف النوع معلومات آگئے ہیں،

قومی تہذیب اور ہندوستانی مسلمان (۴) مرتبہ جناب سید اوصاف علی و عابد رضا بیدار صاحبان، متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت اچھی صفحات ۱۹۲ مجلد مع گرد پوش قیمت عنہ/ پتہ رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورنٹیل اسٹڈیز ۷۰۰۸ اکلاس: محال۔ دہلی نمبر۶

سنہ ۱۹۶۹ء میں "عربی اسلامی مدارس کا نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے" کے موضوع پر نئی دہلی میں جو سمینار منعقد ہوا تھا، یہ کتاب اس کی روداد ہے، اس سمینار میں مولانا عبد السلام خاں رامپوری، پروفیسر سید مقبول احمد، جناب اخلاق احمد، مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور پروفیسر محمد شفیع اگوانی نے مضامین پڑھے تھے، اور بحث میں حصہ لینے والے چند ممتاز لوگوں کے نام یہ ہیں: پروفیسر عبد العلیم وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، پروفیسر اجمل خاں مرحوم، بیرسٹر نور الدین احمد، مولانا سعید احمد اکبرآبادی ڈاکٹر سعید انصاری، قاضی سجاد حسین، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی، عبد اللطیف اعظمی اور خود فاضل مرتبین،

عابد رضا بیدار صاحب نے ان حضرات کے مضامین اور تقریروں کے علاوہ اس موضوع سے متعلق بعض دوسری مفید تحریریں بھی جمع کر دی ہیں، اور شروع میں ایک فکر انگیز اور قابل قدر مقدمہ لکھا ہے، اس اعتبار سے یہ اس موضوع پر بڑی جامع کتاب ہو گئی ہے، گو اس کے تمام خیالات سے اتفاق ضروری نہیں، مگر موجودہ زمانہ میں عربی مدارس کے نصاب میں اصلاح کی ضرورت مسلم ہے، اس سلسلہ میں اس کتاب سے بڑی مدد ملے گی، صفحہ ۱۳۴ پر سعید انصاری صاحب کے بارہ میں لکھا گیا ہے کہ "ایک عرصہ تک دار المصنفین میں رہ چکے ہیں"، حالانکہ موصوف کا وطن اعظم گڈھ ضرور ہے، اور وہ دار المصنفین کے موجودہ انتظامیہ کے ارکان میں بھی ہیں لیکن اس سے وابستہ کبھی نہیں رہے، دراصل دار المصنفین سے وابستہ ان کے ہمنام مولانا سعید انصاری مرحوم صاحب سیر انصار تھے،

اردو کشمیری فرہنگ جلد اول، کاغذ کتابت و طباعت عمدہ، بڑی تقطیع صفحات ۴۳۰ مجلد مع گرد پوش، قیمت تحریر نہیں، ناشر سکریٹری جموں و کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز،

جموں و کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز اردو اور کشمیری دونوں زبانوں کی مفید خدمات انجام دے رہی ہے، زیر نظر کتاب اسی کا نمونہ ہے، اس میں اردو زبان کے الفاظ اور ان سے بنے ہوئے محاوروں، ترکیبوں اور کہاوتوں کے کشمیری زبان میں معانی لکھے گئے ہیں، کتاب کئی جلدوں میں مکمل ہو گی، زیر نظر جلد میں حرف الف سے شروع ہونے والے الفاظ اور محاورں کے معانی لکھے گئے ہیں، کتاب بڑی محنت و کاوش سے، اور گو ان لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے، جو اردو سے کشمیری زبان میں ترجمہ و تصنیف کا کام کرتے ہیں، مگر دونوں زبانوں سے واقفیت رکھنے والے عام لوگوں کے لئے بھی یہ مفید ہے،

ترجمان مسلم پرسنل لا نمبر، مرتبہ مولانا عبد الحمید رحمانی صاحب، بڑا اخباری سائز، کاغذ، کتابت، طباعت اچھی صفحات ۹۰ صفحے، قیمت ۲/، پتہ منیجر ترجمان، ۲۱۔ پریس اسٹریٹ صدر بازار، دہلی نمبر۶،

ہندوستان کی آزادی کے بعد مسلمان جن گوناگوں مسائل سے دوچار ہیں، ان میں اس وقت سب سے اہم مسئلہ مسلم پرسنل لا کا ہے، اور مسلمان من حیث القوم اس کے تحفظ پر متفق اور اس میں حکومت کی مداخلت اور مشترکہ سول کوڈ کے خلاف ہیں، جماعت اہلحدیث کے پندرہ روزہ اخبار "ترجمان" نے اسی مسئلہ پر یہ مسلم پرسنل لا نمبر شائع کیا ہے، جو اس کے جملہ مسائل اور اس سے متعلق مفید اور معلوماتی مضامین پر مشتمل ہے، "پوتے کا حق وراثت" (مولانا عبید اللہ رحمانی)، ہندوستانی مسلمان اور تحفظ شریعت (مولانا محمد عثمان فارقلیط) "مسلم پرسنل لا" (قاضی محمد عدیل عباسی) "مشترکہ سول کوڈ" (ظفر احمد صدیقی) اور قانون فسخ نکاح مسلمین ۱۹۳۹ء (پروفیسر طاہر محمود) خصوصیت سے اہم

اور قابلِ ذکر مضامین ہیں، یہ نہیر محنت سے مرتب کیا گیا ہے اور اس کی اشاعت نے وقت کی ایک اہم اور بڑی قومی وملی ضرورت پوری کی ہے،

دیوان خواجہ میر درد، مرتبہ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، تقطیع خورد کاغذ، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۲۳۸ مجلد مع گردپوش، قیمت سے، پتہ مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی نمبر ۶،

یہ اردو کے نامور شاعر اور مشہور صوفی خواجہ میر درد کے اردو دیوان کا نیا اڈیشن ہے جس کو ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، ریڈر شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی نے دیوان کے کئی مطبوعہ اور قلمی نسخوں اور متعدد تذکروں کی مدد سے مرتب کیا ہے، حاشیہ میں انھوں نے مختلف نسخوں کے اختلافات کی تصریح کر دی ہے، غزلیں حروف تہجی کی ترتیب سے دی گئی ہیں، آخر میں فردیات، قطعات، رباعیات، ترکیب بند اور مخمس وغیرہ شامل ہیں، شروع میں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے ایک پر مغز اور قابلِ مطالعہ مقدمہ ہے، اس میں خواجہ صاحب کی شخصیت، شاعری اور تصوف پر بڑے اعتدال و توازن کے سنجیدہ بحث کی گئی ہے اور آخر میں نامانوس اور غریب الفاظ کے فرہنگ دیئے گئے ہیں، دیوان درد کے اب تک جو اڈیشن چھپے ہیں ان میں یہ سب سے جامع اور درد کی شاعری اور تصوف کے بارہ میں مفید معلومات پر مشتمل ہے

اُردو کے حُروف تہجی مرتبہ ڈاکٹر محمد انصار اللہ صاحب تقطیع خورد، کاغذ کتابت وطباعت بہتر صفحات ۹۶ قیمت ۶؍ پیسے پتہ: ادارۂ المخدوم، ڈاکخانہ نند اور ضلع کرٹیہ۔ اندھرا پردیش،

ڈاکٹر محمد انصار اللہ نوجوان اور لائق اہل قلم ہیں، مخطوطات اور غالبیات وغیرہ پر ان کے بعض محققانہ مضامین نے اصحاب علم و نظر کو اُن کی جانب متوجہ کر دیا ہے، اس مختصر رسالہ میں اردو کے حروف تہجی کے عہد بعہد ارتقاء کا ذکر اب تک ان کے سلسلہ میں ہونے والی اصلاح و ترمیم کا جائزہ، انکی وضع و ایجاد کے موقع اور اُردو کے فارسی رسم الخط اختیار کرنے کے وجوہ و نتائج وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے، مصنف نے رسم الخط کی اصلاح کے سلسلہ میں مماثل و متقارب الصوت حرفوں کو ترک کرنے کی رائے کی شدت سے مخالفت کی ہے، آخر میں اس موضوع کے متعلق میر امن وغیرہ کے چند ذوقہ ایک مفید رسالہ کا ضروری حصہ بھی مختصر تعارف کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، یہ کتابچہ ٹھوس معلومات پر مشتمل ہے

(ض)

جلد ۱۱۱ - ماہ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۷۳ء - عدد ۲

مضامین

فہرست مضمون نگاران معارف

(جلد ۱۱۱)

ماہ جنوری ۱۹۷۳ء تا ماہ جون ۱۹۷۳ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)